المدارج السنية

في الرّدّ على الوهابية

مرتّبه: عامر القادري رحمه الله معلم بدار العلوم القادرية السبحانية كراتشى عـــ ۲۵

ترجمه: عبد العليم القادرى هفته ١٥ جنورى سنة ١٣٩٨ هـــ. [١٩٧٧ م.]

و يليه

العقائد الصحيحة في ترديد الوهّابية النّجدية

جناب زبدة السالكين عمدة العارفين محى السنة ماحى البدعة حضرت مولانا و مرشدنا خواجه حاجى حافظ **محمد حسن جان** صاحب مجدّدى دامت بركاتهم العالية سجاده نشين درگاه طنده ساين داد ضلع حيدرآباد (سنده) ىى مؤلف اصول الاربعة المتوفى سنة ١٣٤٩ هـــ. [١٩٣١ م.]

قد اعتنى بطبعه طبعة جديدة بالأوفست

مكتبة الحقيقة

HAKİKAT KİTABEVİ

يطلب من مكتبة الحقيقة بشارع دار الشفقة بفاتح ٥٧ استانبول–تركيا

هجري قمري	هجري شمسي	ميلادي
١٤٢١	١٣٧٩	٢٠٠٠

من اراد ان يطبع هذه الرسالة وحدها او يترجمها الى لغة اخرى فله من الله الاجر الجزيل و منا الشكر الجميل و كذلك جميع كتبنا كل مسلم مأذون بطبعها بشرط جودة الورق و التصحيح

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علےٰ سید الاولین والاٰخرین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

امابعد

فیقول عامر عبدالخالق القادری المدعو بعامر القادری لما وجدت من الوھابیۃ مسائل المختلفۃ۔ لما قولھم ان الانبیاء لیس یحی فی قبورہم والنداء الیٰ یارسول اللّٰہ صلے اللہ علیہ وسلم شرک کما یقولون أھل السنۃ فی وقت الاذان عند شھادۃ الاولیٰ ۔ قرۃ عینی بک یا رسول اللّٰہ وھی شرک عندہم ومن قال یارسول اللّٰہ باالنداء والخطاب فھو مشرک عندہم ۔ وحیلۃ الاسقاط لما روح فی السرحد اوالپنجاب۔ ھو حرام عندہم واخذ الاجرۃ علےٰ تعلیم القراٰن شرک ایضاً فلھذا اکتبت الرسالۃ المسمیٰ بالمدارج السنیۃ فی الرد علے الوھابیۃ

فالمسئلۃ الاول ۔ الصلوٰۃ علے النبی علیہ السلام۔

الصلوٰۃ علے النبی علیہ السلام ثبت بدلیل قطعی ۔ لقولہ تعالیٰ

امابعد

پس کہتا ہے عاصی عبدالحق القادری معروف بہ عاصی القادری جب پائے میں نے وہابیہ کے مسائل مختلف جیسے کہتے ہیں یہ کہ انبیاء اپنے قبور میں زندہ نہیں ہیں اور ندا رسول اللہ کی طرف یہ شرک ہے جیسا کہ اہل السنۃ کہتے ہیں آذان کے وقت میں اول شہادت میں قرۃ عینی بک یارسول اللہ۔ اور یہ وہابیہ اسے شرک جانتے ہیں اور جس نے یارسول اللہ لبا ساتھ نداء اور خطاب کے وہ انکے ہاں مشرک ہے۔ اور حیلہ اسقاط کرنا جیسے صوبہ سرحد میں مروج ہے اور پنجاب میں یہ انکے ہاں حرام ہے۔ اور تعلیم قرآن پر اُجرت لینا یہ بھی شرک ہے اس وجہ سے میں نے رسالہ لکھا جو مدارج السنیۃ فی رد علی الوہابیہ پر موصوف ہے پس اول مسئلہ نبی علیہ السلام پر درود پڑھنے کا ہے۔

درود پڑھنا نبی علیہ السلام پر نص قطعی سے ثابت ہے۔ واسطے قول رب تعالیٰ کے۔

صلوا علیہ وسلموا تسلیماً ای صلوا علیہ دائماً۔ فان قلت کیف ندوام؟

قلنا

قولہ تعالٰی اِن اللہ وملئکتہ یصلون الایۃ۔ وقع فی الآیت الاستمرار

لان ھی رای یصلون) صیغۃ المضارع والمضارع یدل علی الاستمرار

فالحاصل صلوا علیہ بدوام۔

یاایھا الناس صلوا علی رسول اللہ صلوا علیہ ھو خیر البشر

ھو رسول ربنا ھو مختار کل شیئ ھو بشیر الی قمر فشق القمر

وفی المشکوٰۃ۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من صلّٰی عَلَیّ صلوٰۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا۔

وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان لِلہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من اُمتی السلام

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ما من احد یسلم عَلَیّ اِلّا رد اللہ عَلَیّ روحی حتی اَرد علیہ السلام

فثبت ان صلوٰتنا یعرض علی النبی علیہ السلام۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَن

درود پڑھو اس پر اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔ یعنی درود پڑھو ہمیشہ۔ پس اگر تو کہے کیسے ہمیشہ

ہم کہتے ہیں

یہ قول رب تعالیٰ کا ان اللہ وملائکتہ یصلون ۔ واقع ہوا استمرار اس لیے کہ یصلون

مضارع کا صیغہ ہے اور مضارع دلالت کرتا ہے استمرار پر۔

پس حاصل یہ ہے کہ درود پڑھو اس پر ساتھ ہمیشگی کے

اے لوگو درود پڑھو نبی علیہ السلام پر درود پڑھو اس پر وہ افضل بشر ہے

وہ ہمارے رب کا رسول ہے اور وہ مختار ہے جملہ اشیاء کا اس نے چاند کو اشارے سے توڑ دیا

اور مشکوٰۃ میں ہے۔ روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ نے جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے

اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔

اور روایت ہے ابن مسعود سے کہ فرمایا رسول اللہ نے اللہ کے فرشتے زمین میں پھرتے ہیں میری امت

کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

اور روایت ہے ابو ہریرہ سے فرمایا رسول اللہ نے جب کوئی مسلمان سلام پڑھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ

میری روح کو مجھ پر لوٹاتے ہیں یہاں تک کہ اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

پس ثابت ہوا کہ ہمارا درود نبی علیہ السلام پر پیش کیا جاتا ہے۔

اور روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو

صلی علیَّ عند قبری سمعته ومن صلی علیَّ نائیا ابلغته - فثبت کما یسمع
النبی صلی الله علیه وسلم عند قبره یسمع ایضا من البعید لانه
رسول للناس بالقرب والبعد - کما ثبت بحدیث التی وجد فی دلائل
الخیرات[1] - اسمع صلوة اهل محبتی واعرفهم - دلائل الخیرات ص۵۲
واسمع منکم بلا واسطة - انیس الجلیس لامام السیوطی[2] ص۲۴۵ -
انا جلیس من ذکرنی سعادت الدارین[3] ص۵۴۴ ومدارج النبوة[4] ص۵۰
ثم روح البیان[5] جلد ۲ ص۲۳۵ - من قال عشر مرة الصلوة والسلام
علیک یا رسول الله فقد اعتق رقبة - نسیم الریاض[6] جلد ۳ ص۴۹۲
وقال حسین احمد الدیوبندی[7] فی شهاب ثاقب - الصلوة والسلام
علیک یا رسول الله وجملة الصور للصلوة لو بخطاب ونداء عند
علمائنا مستحب ومستحسن - شهاب ثاقب ص۶۵
فثبت جواز الصلوة بالنداء والخطاب -

۵ سلموا یا قوم بل صلوا علی صدر الامین
مصطفی ماجاء الا رحمة للعالمین

---

(١) مؤلف دلائل الخيرات محمد بن سليمان الجزولي الشاذلي توفي مسموما سنة ٨٧٠ هـ. [١٤٦٥ م.] في فاس
(٢) جلال الدين عبد الرحمن السيوطي الشافعي توفي سنة ٩١١ هـ. [١٥٠٥ م.] في مصر
(٣) مؤلف سعادة الدارين ابراهيم المصري كان حيا قبل سنة ١٣٢٠ هـ. [١٩٠٢ م.]
(٤) مؤلف مدارج النبوة عبد الحق الدهلوي توفي سنة ١٠٥٢ هـ. [١٦٤٢ م.]
(٥) مؤلف تفسير روح البيان اسماعيل حقي الجلوتي توفي سنة ١١٣٧ هـ. [١٧٢٥ م.] في بروسه
(٦) مؤلف نسيم الرياض شرح الشفاء احمد الخفاجي المصري توفي سنة ١٠٦٩ هـ. [١٦٥٩ م.]
(٧) حسين احمد الديوبندي توفي سنة ١٣٧٧ هـ. [١٩٥٧ م.]

درود پڑھے میری قبر کے نزدیک میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے مجھے پہنچایا جاتا ہے

پس ثابت ہوا جیسے کہ نبی علیہ السلام اپنی قبر پر نزدیک کا درود سنتے ہیں اسی طرح دور کا بھی سنتے ہیں اس لیے کہ آپؐ نزدیک اور دور والوں کے رسول ہیں۔ جیسا کہ ثابت ہے حدیث میں جو پائی ہم نے دلائل الخیرات میں۔ بے شک سنتا ہوں میں درود اہل محبت کا اور پہچانتا بھی ہوں اور میں تم سے بلا واسطہ سنتا ہوں۔ میں وہاں موجود ہوں جہاں میری یاد ہو رہی ہے جس نے دس بار الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہا پس اسنے ایک غلام آزاد کیا اور کہا حسین احمد دیوبندی نے شہاب ثاقب میں۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اور جملہ صور درود شریف کو اگرچہ بصیغہ خطاب و ندا ہی کیوں نہ ہو علماء مستحب و مستحسن جانتے ہیں

پس ثابت ہوا جواز درود کا ساتھ خطاب و ندا کے

سے سدا م پڑھوا ئے قوم بلکہ درود پڑھو اور پر سردار امانت داروں کے مصطفےٰ ہیں آئے مگر رحمۃ دو جہان کیلئے۔

والصلوٰة فى الدعاء كما يفعلون اهل السنة

رواه معاذ بن الحارث عن ابي قرة عن سعيد بن المسيب[1] عن عمر رضي مرفوعاً وهكذا رواه رزين ابن معاوية[2] فى كتابه مرفوعاً عن النبى عليه الصلوٰة السلام قال الدعاء موقوف بين السماء والارض لا يصعد حتىٰ يصلى عليّ فلا تجعلونى كغمر الراكب صلوا عليّ اول الدعاء واخره واوسطه

فثبت ان فى اول الدعاء صلوٰة وفى اخره واوسطه وبحمد الله تعالىٰ ان أهل السنة والجماعة يداومون عليه ويستحسنون الصلوٰة فى الدعاء كما روّج فى اكثر الشى -

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

---

(١) سعيد بن المُسَيِّب التابعي توفي سنة ٩١ هـ. [٧٠٩ م.] في المدينة المنورة

(٢) رزين بن معاوية امام الحرمين المالكي توفي سنة ٥٢٤ هـ. [١١٢٩ م.]

اور درود دُعا میں جیساکہ اہل السنۃ کرتے ہیں۔

روایت ہے معاذ بن حارث سے وہ ابی قرہ سے وہ سعید بن المسیب سے وہ عمر سے مرفوعاً اور اسی طرح روایت کیا ہے اسے رزین ابن معاویہ نے اپنی کتاب میں مرفوعاً نبی علیہ السلام سے فرمایا کہ دُعا لٹکی رہتی ہے آسمان و زمین میں اوپر نہیں چڑھتی جب تک مجھ پر درود نہ پڑھا جائے پس نہ کرو مجھے مانند ... درود پڑھو مجھ پر دعا کی ابتدا درمیان اور آخر میں

پس ثابت ہوا کہ دعا کے ابتداء میں آخر میں اور درمیان میں درود ہے اور اللہ کے فضل سے اہل السنۃ والجماعت نے اس پر ہمیشگی اختیار کی ہے۔ اور دُعا میں درود کو مستحسن جانتے ہیں جیسا کہ رواج ہے کراچی میں۔

الاحکام بر المنافقین

قال حاجی[1] امداد اللہ مہاجر مکی فی ضیاء القلوب ہر کسے را
کہ شوقِ دیدار محمد رسول اللہ صلعم می شود بعد نمازِ عشاء باطہارت کامل وجامہ
نو واستعمال خوشبو باادب تمام روبروئے مدینہ منورہ بنشیند وملتجی از جناب
قدس حقیقت محمدی برائے حصولِ زیارت جمال مبارک صلے اللہ علیہ وسلم و
دل را از جمیع خطرات خالی کردہ صورتِ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہ
لباس بسیار سفید وعمامہ سبز وچہرہ منور مثلِ بدر بر کرسی تصور کند الصلوٰۃ
والسلام علیک یارسول اللہ راست، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ چپ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ، در دل ضرب کند وایں درود شریف
را ہر قدر کہ تواند پے درپے تکرار کند انشاء اللہ تعالیٰ مطلوب خواہد رسید۔

ضیاء القلوب ص ۸۳

وایضا قال حاجی امداد اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک
یا رسول اللہ بصیغۃ النداء والخطاب یکلمون الناس فیہ
ھذا مبنی علی اتصال المعنوی لہ الخلق والامر عالم الامر

---

(۱) حاجي امداد الله حسين الديوبندي توفي سنة ۱۳۱۷ هـ. [۱۸۹۹ م.] في مكة المكرمة

مخالفین کے اکابر

کہا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے ضیاء القلوب میں جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق ہو نمازِ عشاء کے بعد تنہا طہارت کامل کے اور نئے کپڑوں کے اور استعمال خوشبو کے ساتھ ادب تمام کے منہ مدینہ منورہ کی طرف کرکے بیٹھے اور التجا جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کی زیارت کی کرے اور دل کو تمام خطرات سے خالی کرکے یہ تصور کرے حضور اکرمؐ سفید کپڑے پہنے اور سبز عمامہ باندھے کرسی پر بدر کے چاند جیسے جلوہ افروز ہیں اور دائیں طرف الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور بائیں الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اور دل میں الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ کی ضرب لگائے اور اس درود شریف کو جسقدر ہو سکے متواتر تکرار کرے انشاء اللہ مطلب کو پہنچے گا

اور اسی طرح حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے کہا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں یہ اتصال معنوی پر مبنی ہے لہ الخلق و الامر عالم امر

ليس مقيد بالطرف والقرب والبعد فلا شك في جوازه

امداد المشتاق ص ٥٩

اشرف[١] علي تانوی

فثبت ان اكثروا الصلوٰة بكثرة وهو ايضاً الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله - شكر النعمة بذكر رحمة الرحمة ص ١٨

وهذا مقام فكر وتأمل ان اكابر الديوبندية هم يتعبونه الوهابية زماننا والمودودية والنجبيرية وغيرهم يقولون الشرك للصلوٰة على النبي بالنداء والخطاب فثبت ان اكابرهم كلهم مشركون ولكن لا يفقهون العلم لئن كلهم جهال

حسين احمد[٢] مدنی

سمعت من الوهابية اكثرهم يمنعون من الصلوٰة على النبي عليه السلام بالخطاب مع الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله وهم يستهزؤن ويقولون الكلام الفاحش وعلمائنا هذا الصورة وجملة الصور لصلوٰة لو بخطاب و نداء يقولون مستحب ومستحسن وللمتعلقين يأمرون بذالك - شهاب ثاقب ص ٦٥

شفیع

(١) محمد اشرف علي التهانوي الديوبندي توفي سنة ١٣٦٢ هـ. [١٩٤٣ م.]

(٢) حسين احمد مدني الديوبندي توفي سنة ١٣٧٧ هـ. [١٩٥٧ م.]

نہیں مقید ساتھ طرف کے قرب و بعد میں ہیں اس کے جواز میں شبہ نہیں ہے۔

اشرفعلی تھانوی

کہ یوں دل چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں اور وہ بھی ان الفاظ سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

اور یہ مقام غور و فکر ہے کہ اکابر دیوبند اسے مستحب جانتے ہیں اور ہمارے زمانے کے وہابی اور مودودی اور نیچیری وغیرہ ہم درود کو شرک کہتے ہیں جو ساتھ ندا و خطاب کے ہو پس ثابت ہوا ان کے قول سے کہ ان کے اکابر تمام مشرک ہے ولیکن یہ نہیں سمجھتے علم کو اس لیے کہ یہ جاہل ہیں۔

حسین احمد مدنی

وہابیہ خبیثہ کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفرین اس ندا اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء (مذاق) اڑاتے ہیں اور برے کلمات کہتے ہیں اور علماء دیوبند اس صورت کو اور تمام صور درود کو اگرچہ بخطاب و ندا ہی کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔

محمد ذكريا السهارنبوري[1]

قال فى فضائل درود دفى فهى ان يجمع الصلوٰة والسلام فافضل اعنى مكان السلام عليك يا رسول الله والسلام عليك يا حبيب الله يقال الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله اعنى ان ازيد عليه لفظ صلوٰة

فضائل درود ص ۱۳۲ مطبوعه مدينه پبلشنگ ص ۲۹

وقال حجة الاسلام امام غزالى[2] رحمة الله عليه فى احياء العلوم واحضر فى قلبك النبى عليه السلام وشخصه الكريم وقل السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته وليصدق املك فى أنه يبلغه ويرد عليك ما هو اوفى منه انتهى احياء العلوم ص ۱۴۹ جلد ۱ وهذه العبارة وجدت فى اكثر كتب الفقهاء - عمدة القارى[3] شرح بخارى جلد ۶ ص ۱۱۱ مواهب اللدنيه[4] جلد ۲ ص ۳۲۰ زرقانى شرح مواهب اللدنيه جلد ۷ ص ۲۲۹ زرقانى شرح موطا امام مالك[5] جلد ۱ ص ۱۷۰ سعايه[6] جلد ۲ ص ۲۲۷ فتح الملهم جلد ۲ ص ۱۴۳ اوجز المسالك جلد ۱ ص ۲۶۵ مسك الختام[7] شرح بلوغ المرام ص ۲۵۹

له مطبوع فى بيروت

تبطل اثبات الوهابية وقولهم من حضر فى قلبه النبى عليه السلام وقت الصلوٰة فصلوٰته فاسدة - نعوذ بالله من انفسهم ويرحم الله عليهم

---

(١) محمد زكريا السهارنبوري الديوبندي ولد سنة ١٣١٥ هـ. [١٨٩٧ م.]

(٢) الامام محمد الغزالي توفي سنة ٥٠٥ هـ. [١١١١ م.] في طوس [مشهد]

(٣) مؤلف عمدة القاري محمود العيني الحنفي توفي سنة ٨٥٥ هـ. [١٤٥١ م.]

(٤) مؤلف المواهب اللدنية احمد القسطلاني الشافعي توفي سنة ٩٢٣ هـ. [١٥١٧ م.]

(٥) محمد الزرقاني المالكي توفي سنة ١١٢٢ هـ. [١٧١٠ م.]

(٦) مؤلف السعاية عبد الحي اللكنوي الهندي توفي سنة ١٣٠٤ هـ. [١٨٨٦ م.]

(٧) مؤلف مسك الختام شعبان المصري الشافعي توفي سنة ٨٢٨ هـ. [١٤٢٤ م.]

محمد ذکریا سہارنپوری

فضائل درود میں کہا کہ بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سلام کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے السلام علیک یا رسول اللہ اور السلام علیک یا حبیب اللہ کے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ یعنی صلوٰۃ کا لفظ بڑھا دیا جائے۔

اور کہا امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں۔ اور حاضر کر اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور تصور آپؐ کا رکھ اور کہہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور یقین جان کر سلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچ رہا ہے۔ اور اس کا جواب آپؐ بجا لا رہے ہیں۔

اور یہی عبارت میں نے اکثر کتب فقہاء میں پائی ہے۔

پس باطل ہوا اثبات وہابیہ کا کہتے ہیں کہ جس نے نماز میں نبی علیہ السلام کا خیال لایا پس اس کی نماز فاسد ہوئی۔ العیاذ باللہ۔

والنداء

وايضا سمعت من الوهابية والنداء لغير الله شرك فتاوى رشيديه۔[1]

قلنا

والنداء للنبي عليه السلام وللاولياء جائز اما للنبي عليه السلام فهو من حديث عبد الرحمن بن سعد خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل اذكر احب الناس اليك فقال يا محمد صلى الله عليه وسلم ادب المفرد ص ۱۴۲

وايضا فى فضائل درود لزكريا السهارنفورى ديوبند ص ۱۳۲

وايضا اخرج النووى[۲] رح فى كتابه (اعنى شرح مسلم) خدرت رجل ابن عباس فقال ابن عباس يا محمداه صح الرجل فى الوقت كتاب الاذكار ص ۳۶۔

واما النداء لولى الله تعالى فهو جائز ايضا ان الولى تابع للنبى كما فى فتاوى حديثيه لابن حجر[۳] الهيتمى المكى رح

---

(۱) رشيد احمد كنكوهى توفي سنة ۱۳۲۳ هـ. [۱۹۰۵ م.]

(۲) يحيى النووي الشافعي توفي سنة ٦٧٦ هـ. [۱۲۷۷ م.] في الشام

(۳) احمد ابن حجر المكى الشافعي توفي سنة ۹۷٤ هـ. [۱٥٦٦ م.] في مكة المكرمة زادها الله شرفا و كرما

اور اسی طرح سنا ہے میں نے وہابیہ سے کہ نداء غیر اللہ کو شرک ہے

قلنا

اور پکارنا نبی علیہ السلام کو یا اولیاء کو یہ جائز ہے وہ نداء جو نبی علیہ السلام کو ہے وہ ثابت ہے حدیث عبد الرحمان بن سعد سے کہ ابن عمر کا پاؤں سُن ہو گیا پس کسی آدمی نے اسے کہا یاد کر اُس کو جو تجھے تمام لوگوں سے اچھا اور محبوب ہو پس کہا اُس نے یا محمد

اور اسی طرح امام نوویؒ نے کہا شرح مسلم میں کہ سو گیا پاؤں ابن عباس کا پس کہا اُس نے یا محمداہ صحیح ہوا پاؤں اُس کا اُسی وقت میں

اور بہر حال نداء جو ولی اللہ سے ہے وہ بھی ایسا ہی جائز ہے اس لیئے کہ ولی تابع ہے نبی کے جیسا کہ فتاوٰی حدیثیہ میں ہے جو ابن حجر الھیتمی مکیؒ کا ہے۔

وقال علامہ خیرالدین رملی[۱] فی فتاویٰ خیریہ ھو اُستاد لصاحب درالمختار[۲] فقال یا شیخ عبدالقادر جیلانی[۳] فھو نداء واذ اضیف الیہ شیئاً فھو طلب شیئ اکراماً للہ فما الموجب لحرمۃ فتاویٰ خیریہ مطبوعہ مصر المجلد الثانی ص ۱۸۲

وقال فی الھدایۃ[۴] والصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام خارج الصلوٰۃ واجبۃ کما قال الکرخی[۵] او کلما ذکر علیہ الصلوٰۃ کما اختارہ الطحاوی[۶] انتھی بخاری جلد ثانی علی الھامش۔

فافھموا وافکر یا منکر النداء والخطاب

الیٰ اقوال العلماء والمفتیین وقل۔

یا نبی درود جناب تو

دردزباں است مہ وسال صبح شام

نزدیک چو تحفہ فرستیم ما زدور

درد است راہمیں صلوٰۃ ست وسلام

ابوالمجاہد عامر محمد عبدالخالق القادری ۱۹۷۶ء

---

(۱) خير الدين الرملي الحنفي توفي سنة ۱۰۸۱ هـ. [۱۶۷۰ م.] في رمله

(۲) صاحب در المختار محمد علاء الدين الحصكفي الحنفي توفي سنة ۱۰۸۸ هـ. [۱۶۷۶ م.] في الشام

(۳) السيد عبد القادر الگيلاني الحنبلي توفي سنة ۵۶۱ هـ. [۱۱۶۶ م.] في بغداد

(٤) مؤلف الهداية برهان الدين علي المرغيناني الحنفي استشهد سنة ۵۹۳ هـ. [۱۱۹۸ م.] في بخارى

(۵) عبيد الله الكرخي الحنفي توفي سنة ۳٤۰ هـ. [۹۵۲ م.] في بغداد

(٦) احمد الطحاوي الحنفي توفي سنة ۳۲۱ هـ. [۹۳۳ م.] في مصر

اور کہا علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ میں جو کہ استاد ہے مصنف درمختار کا پس کہا یہ ندا ہے یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور جب ساتھ اسکے پڑھا جائے پس وہ مطلب شیئی ہے از روئے اکرم اللہ کے پس کیا سبب ہے اسکی حرمت کیلئے

اور ہدایہ میں ہے اور درود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نماز سے باہر واجب ہو جیسا کرخی نے کہا اور جب ذکر ہو آپؐ پر درود جیسا کہ مختار کیا ہے اسے طحاوی نے پس غور و تفکر کر اے منکر ندا و خطاب کے طرف اقوال علماء کے اور مفتیوں کے پورے

ویلیه هذه الی ماقبله - قول القائل حین وقت الاذان عند شهادة الاولی او الثانیة - قرة عینی بک یا رسول الله

قال جلال الدین السیوطی والقهستانی[1] فی شرح الکبیر نقلا عن کنز العباد[2] اعلم انه یستحب ان یقال عند السماع الاولی من الشهادة الثانیة صلی الله علیک یا رسول الله وعند سماع الثانیة قرة عینی بک یا رسول الله ثم یقال اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابهامین علی العینین وقال علیه السلام من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابهامیه ومسح علی عینیه لم یعم ابدا اه حاشیه جلالین[3] مطبوعه اصح المطابع ثم روح البیان ماتحت ان الله وملئکته الآیة وموضوعات کبیر لملا علیقاری ص ۲۴۹ ثم البصائر لمولانا حمد الله داجی وایضا قال العلامة الشامی[4] ص ۲۷۹ تتمة

---

(۱) محمد القهستاني الحنفي توفي سنة ۹۶۲ هـ. [۱۵۵۵ م.] في بخارى

(۲) كنز العباد في شرح اوراد شهاب الدين السهروردي ابو حفص عمر الشافعي توفي سنة ٦٣٢ هـ. [۱۲۳٤ م.] في بغداد

(۳) مؤلف تفسير الجلالين محمد جلال الدين مَحَلّي توفي سنة ٨٦٤ هـ. [۱٤٥۹ م.] في مصر

(٤) العلامة الشامي السيد محمد أمين ابن عابدين توفي سنة ۱۲٥۲ هـ. [۱۸۳٦ م.]

اور یہ ملا ہوا ہے ساتھ گزشتہ کے ۔ قول قائل کا وقت اذان کے نزد شہادت اول کے یا ثانیہ کے ۔ یا رسول اللہ تم میری آنکھوں کے ٹھنڈک ہو ۔

کہا جلال الدین سیوطی نے اور قہستانی نے شرح کبیر میں نقل کیا کنز العباد جان کہ بے شک یہ مستحب ہے کہ کہا جاوے سماع اولیٰ کے نزدیک شہادت ثانیہ سے درود ہو تم پر اے اللہ کے رسولؐ اور وقت شہادت ثانیہ کے ٹھنڈک ہو تم یا رسولؐ اللہ میری آنکھوں کے پھر کہے اے اللہ دے مجھے قوت سماع و بصارت کی یہ کہے بعد رکھنے ناخن انگوٹھوں دونوں کے آنکھوں پر اور کہا نبی علیہ السلام نے جس نے سنا اذان میں نام میرا اور چوما ناخن دونوں انگوٹھوں کے اور آنکھوں پر لگایا کبھی آنکھیں خراب نہ ہوں گی ۔

حيلة الاسقاط

جمعه الحيل وتعريفه ما يحتال به الرجل بحمد الله تعالى ويعملون حيلة الاسقاط من زمان عمر رضي الله عنه الى الآن وفي جوازه كثرة الاثبات .

فان قلت كيف اجاز العلماء الحيل مع ان البخاري[1] اورد في كتابه الحيل احدا وثلثين حديثا في منع الحيل ؟

قلنا

تحقيق المقام ان ادلة باب الحيل قد جاءت مختلفة فبعضها يقتضي عدمه وبعضها يقتضي وجوده والبخاري اختار الاول فاورد الاحاديث التي تراها ولكن بعضها لا يدل على الحيل اصلا ولم يذكر مايدل على الجواز من الكتاب والسنة بل شنع على من اجاز الحيل قال الحافظ ابن حجر العسقلاني[2] في شرح البخاري بعدما ذكر اقسام الحيل واختلاف العلماء فيها مانصه ولمن جازها مطلقا او ابطلها مطلقا ادلة كثيرة فمن الاول قوله تعالى وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث وقد عمل به صلى الله عليه وسلم

---

(١) مؤلف الجامع الصحيح البخاري محمد بخاري توفي سنة ٢٥٦ هـ. [٨٧٠ م.] في سمرقند

(٢) احمد ابن حجر العسقلاني الشافعي توفي سنة ٨٥٢ هـ. [١٤٤٨ م.] في مصر

حیلہ اسقاط

جمع اس کی حِیَل ہے اور تعریف یہ ہے مایحتال بہ الرجل۔ اللہ کے فضل وکرم سے اسقاط اہل السنۃ کر رہا ہے زمانہ عمرؓ سے اب تک اور اس کے جواز میں اثبات بہت ہیں اگر تو کہے کہ علماء نے حیلہ کو کیسے جائز قرار دیا حالانکہ بخاریؒ نے کتاب الحیل میں اکتیس ۳۱ احادیث عدم جواز میں لکھی ہیں ؟

تملنا

تحقیق مقام یہ ہے کہ دلائل بارے حیل میں مختلف ہیں پس بعض تقاضہ عدم رکھتی ہیں اور بعض اس کے جواز پر مقتضی ہیں اور بخاریؒ نے اول یعنی عدم جواز کو اختیار کیا پس وارد کی احادیث جو سامنے ہیں ولیکن بعض دلائل نہیں حیل پر اصلاً اور ذکر نہیں کیا بخاریؒ نے وہ جو دال ہیں جواز پر کتاب وسنت سے بلکہ زجر کیا اُس پر جس نے حیلہ کو جائز کہا کہا حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں بعد ذکر کرنے اقسام حیل کے اور اختلاف علماء کا وہ جو نصب ہے اس میں اور جس نے مطلقاً جائز قرار دیا۔ یا مطلقاً باطل کیا اسے دلائل کثیرہ سے پس اوّل یہ قول رب تعالیٰ کا اور پکڑ ہاتھ میں جھاڑو پس مار اس سے اور حانث نہ ہو اور تحقیق عمل کیا اسکے ساتھ نبی علیہ السلام نے

فی حق الضعیف الذی زنیٰ وهو من حدیث ابی اما مۃ بن سهل فی السنن ومنه قوله تعالیٰ ومن یتق الله یجعل له مخرجا وفی الحیل من المخارج من المضائق ومنه مشروعیة الاستثناء فان فیه تخلیصا من الحنث وکذلک الشروط کلها فان فیها سلامۃ من الوقوع فی الحرج۔ ومنه حدیث ابی هریرۃ وابن سعید فی قصة بلالؓ بع الجمع بالدراهم ثم ابتع منها۔ ومن الثانی قصة اصحاب السبت وحدیث حرمت علیهم الشحوم فجملوها فباعوها واکلوا ثمنها وحدیث النهی عن النجش وحدیث لعن المحلل والمحلل له۔ اهـ وقال شمس الائمة السرخسیؒ [1] فی حیل المبسوط ان الحیل فی الاحکام المخرجة عن الامام جائزة عند جمهور العلماء وانما کره ذلک بعض المتقشفة بجهلهم وقلة تاملهم فی الکتاب والسنة والدلیل علی جوازه من الکتب قوله تعالیٰ وخذ بیدک ضغثا فاضرب به ولا تحنث هذا التعلیم المخرج لایوب علیه السلام عن یمینه التی حلف لیضربن زوجته مائة سوط فانه حین قالت لو ذبحت عناقا باسم الشیطان

---

(١) محمد السرخسي توفي سنة ٤٨٣ هـ. [١٠٩١ م.] في تركستان

نیچ حق ضعیف کے وہ جس نے زنا کیا تھا اور وہ حدیث ابی امامۃ بن سھل کی ہے سنن میں اور اسی سے یہ فرمان رب تعالیٰ کا اور جو ڈرے اللہ سے کر دیگا واسطے اس کے نکلنے کی راہ اور حیل میں راستہ ہے آسانی ہے تنگیوں سے اور اسی سے ہے مشروعیت ہے استثناء کی اس لیے کہ اسمیں خلاصی ہے حنث سے اور اسی طرح تمام شروط پس اس میں سلامتی ہے حرج میں پڑنے کی۔ اور اسی نے حدیث ابو ہریرہؓ کی اور ابن سعید کی قصہ بلال میں (بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بہا) اور دوسرے سے قصہ اصحاب سبت کا اور حدیث حرمت علیہم الشحوم والی اور حدیث نہی عن النجش کی اور حدیث لعن المحلل اور محلل لہ کی الخ

اور کہا شمس الائمہ سرخسی نے حیل مبسوط میں کہ حیل احکام مخرجہ میں امام اعظمؒ سے جائز ہے تمام علماء کے نزدیک اور یہ کہ مکروہ جانا بعض بدبختوں نے واسطے جہالت اُن کے اور کمی فکر کے کتاب و سنت میں اور دلیل جواز پر کتاب سے یہ قول رب تعالیٰ کا وخذ بیدک الخ یہ تعلیم مخرج ہے ایوب علیہ السلام کیلئے اُس قسم سے جو اُٹھائی تھی کہ البتہ ضرور ماروں گا میں بیوی اپنی کو سو درّے جب کہا تھا اُسکی عورت نے اگر ذبح کرے تو عناق ساتھ اسم شیطان کے۔

فی قصة طویلة اوردها اهل التفسیر رحمهم اللہ وقال اللہ تعالیٰ فلما جهزهم بجهازهم جعل السقایة فی رحل اخیه الیٰ قوله ثم استخرجها من وعاء اخیه کذٰلك کدنا لیوسف وکان هذا منه حیلة لامساك اخیه عنده علی وجه لا یقف اخوته علیٰ مقصوده وقال جل جلاله حکایة عن موسیٰ علیه السلام ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولم یغلب علیٰ ذلك لانه قید سلامته بالاستثناء و هو مخرج صحیح قال اللہ تعالیٰ ولا تقولن لشیئٍ انی فاعل ذلك غدا الا ان یشاء اللہ۔

واما السنة فما روی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال یوم الاحزاب لعروة بن مسعود فی شان بنی قریظة فلعلنا امرناهم بذلك فلما قال له عمرؓ فی ذلك قال علیه السلام الحرب خدعة وکان ذلك منه اکتساب حیلة ومخرجا من الاثم بتقیید الکلام بلعل ولما اتاه رجل واخبره انه حلف بطلاق امرأته ثلاثا ان لا یکلم اخاه قال له طلقها

لمبے قصہ میں جیسے لکھا مفسرین کرام نے اور کہا اللہ تعالیٰ نے پس جب تیار کیا واسطے ان کے سامان رکھ دیا پیالہ پانی والا کجاوے میں اسکے بھائی کے پھر نکال لیا اُسے بھائی کے کجاوے سے اور اسی طرح کام سنوارا ہم نے یوسف کا اور تھا یہ اس سے حیلہ امساک کا بھائی سے اُس کے تمام اور یہ وجہ نہ موقوف ہونے بھائی اُسکے نے اوپر مقصود کے اور کہا رب تعالیٰ نے حکایت موسیٰ سے پائیگا تو مجھے صابر اگر اللہ نے چاہا اور نہ غالب ہوا وہ اس صبر پر اس لیے کہ یہ قید سلامتی کی ہے ساتھ استثناء کے اور یہ مخرج صحیح تھا اور فرمایا رب تعالیٰ نے اور ہرگز نہ کہو کسی چیز کیلئے کہ کروں گا میں اسے کل مگر یہ کہ اللہ چاہے

اور وہ جو حدیث ہے پس وہ روایت کی گئی ہے نبی علیہ السلام سے جو کہ فرمایا یوم احزاب پر عروہ بن مسعود کو شان بنی قریظہ میں پس کہ شاید مامور ہیں ہم اسی پر پس جب کہا عمرؓ نے اسمیں فرمایا نبی علیہ السلام نے الحرب خدعۃ۔ اور تھا اسی طرح اس سے کتاب حیلہ اور مخرج گناہ سے پس مقید رکھا کلام لفظ لعل سے اور جب اسکے پاس آدمی اور خبر دی کہ اُس نے حلف اُٹھایا طلاق کیساتھ اپنی عورت کو کہ نہ کلام کرے ساتھ بھائی اُسکے سے کہا اُسے طلاق دے اسے ایک

واحدة فاذا انقضت عدتها فكلم اخاك ثم تزوجها وهذا تعليم الحيلة والاثار فيه كثيرة ومن تأمل احكام الشرع وجد المعاملات كلها بهذه الصفة وقال فمن كره الحيل فی الاحكام فانما يكره فی الحقيقة احكام الشرع واللہ اعلم بخاری المجلد الثانی ص ۱۰۲۳ مقدمة

وصية الاموات فی حيلة الاسقاط

الدليل الاول لوصيت الاموات بقوله تعالی من بعد وصية توصی بها او دين۔

وجه الاستدلال - لفظ الوصية مطلق لقيد الدوران

وجه الاستدلال - المطلق يجری علی الاطلاق لان كل افراد ثابتة بالمطلق كمنصوص عليه

وجه الثانی - وقع لفظ وصية بقوله تعالی من بعد وصية يوصين بها او دين - وجه الثالث - وقع وصية بقوله تعالی من بعد وصية توصون بها او دين -

وجه الرابع - لفظ وصية ثبت بقوله تعالی من بعد وصية يوصی

پس جب پوری ہو عدت اس کی پس بات کر اپنے بھائی سے پھر نکاح میں لا اس کو اور یہ تھی

تعلیم حیلہ کی اور احادیث اس میں بکثرت ہیں اور جس نے فکر کیا احکام شرع میں گویا تمام معاملات

پائے اس نے اس صفت کے ساتھ اور کہا پس جس نے مکروہ جانا حیلہ کو احکام میں پس اس نے مکروہ جانا

در حقیقت احکام شرع کو (اور جس نے احکام شرع کو مکروہ جانا وہ کافر ہے۔ بآیت الیوم اکملت لکم)

وصیت اموات کی حیلہ اسقاط میں

دلیل اول وصیت اموات کی ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ توصی بھا او دین

وجہ استدلال کی۔ لفظ وصیت مطلق ہے قید دوران ہو

وجہ استدلال کی۔ مطلق اپنے اطلاق پہ جاری ہوتا ہے اسلیئے کہ تمام افراد ثابت میں مطلق

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

وجہ ثانی۔ واقع ہوا لفظ وصیت ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین

وجہ ثالث۔ واقع ہوئی وصیت ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ توصون بھا او دین

وجہ رابع۔ لفظ وصیت ثابت ہے ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین

بها او دين.

وعن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يصوم احد من احد ولا يصلی احد عن احد و لكن يطعم عنه. رواه النسائی[1] عینی بخاری ص ۲۶۲ مجموعه رسائل شامی جلد اول ص ۲۱۳ مجمع الانهار صوم ص ۲۴۲ مشکل الآثار[2] جلد اول ص ۱۴۱ والسنن الکبری ثم جوهر النقی جلد رابع زیلعی[3] جلد ثانی ص ۴۶۳ و درایة[4] ص ۱۷۷

عن ابن عمر عن النبی قال من مات وعليه صيام شهر رمضان فليطعم مكان يوم مسكينا ترمذی ثم مشكوة[5] الصوم قضا ص ۱۹۴

دوران القران

قال المورخ صاحب الفتوح محمد ابن عمر الواقدی[6] اخبرابو عاصم عن ابن جريح عن ابی شهاب عن ام سلمة عن ابی موسى الاشعرى قال فعل عمر تداور جزء القران من مالی لا الی عمر يتساءلون فی عشرين رجلا بعد صلاة الجنازة لامرأة ملقبة بحبيبة زوجة قلاب (وفی نسخة ملاب) فتاوی سمرقندی[7] لابی الليث و منهاج الواعظ ص ۲۶۴ و درة البرر لامام الغزالی.

---

(۱) مؤلف السنن الكبرى الحافظ احمد النسائي توفي سنة ۳۰۳ هـ. [۹۱۵ م.] في رَمْله

(۲) مؤلف مشكل الآثار محمد الاصفهاني توفي سنة ۴۰۶ هـ. [۱۰۱۵ م.]

(۳) عثمان الزيلعي الحنفي توفي سنة ۷۴۳ هـ. [۱۳۴۳ م.] في مصر

(۴) مؤلف الدراية في شرح الهداية محمد الهروي توفي سنة ۹۲۸ هـ. [۱۵۲۱ م.]

(۵) مؤلف المشكوة محمد ولي الدين التبريزي الشافعي توفي سنة ۷۴۹ هـ. [۱۳۴۷ م.]

(۶) محمد الواقدي توفي سنة ۲۰۷ هـ. [۸۲۲ م.] في بغداد

(۷) ابو الليث نصر السمرقندي توفي سنة ۳۷۳ هـ. [۹۸۳ م.]

اور روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روزہ رکھے ایک آدمی دوسرے
کیلئے اور نہ نماز پڑھے ایک دوسرے کیلئے مگر طعام دے ایک دوسرے کیلئے۔

اور مروی ہے ابن عمرؓ وہ نبی علیہ السلام سے کہ فرمایا آپؐ نے جو فوت ہوا اور اس پر رمضان کے روزے
تھے پس لازم ہے کہ کھانا کھلائے جگہ مسکین کو ایک دن۔

دوران قرآن

کہا مورخ صاحب الفتوح نے جو محمد ابن عمر الواقدی ہیں خبر دی مجھے ابو عاصم نے انہوں نے
ابن جریج سے انہوں نے ابی شہاب سے ام سلمہؓ سے وہ ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ پھرایا عمرؓ نے
جزو قرآن کی تیسویں پارے تیسویں تک بتیس آدمیوں میں نماز جنازہ کے بعد واسطے ایک
عورت کے جو لقب دی گئی ہے ساتھ جبیہ کے جوزوجہ ہے تلاب کی (اور ایک نسخہ میں علاؔبہ)

حدثنا العباس بن سفيان عن ابی علیة عن عون عن محمد عن عبد الله بن عمر قال عمر ایها المسلمون اجعلوا القرآن وسیلة لنجاة الموتی فتحلقوا و قولوا اللهم اغفر لهذا المیت بحرمة قرآن المجید وثبت بهذا السند ایضاً اخبر سعد عن ایوب عن جمیع عن عبد الرحمن عن ابی بکر انه وجد دوران القرآن حمی والقرآن شافع للمؤمنین حیاتا و بعد مماتا۔ فتاوی سمرقندی ثم منهاج الواضح ص ۲۶۴۔

قال الامام احمد[1] اسهل طریقته ان یبیع الوارث علی الفقیر[2] مصحفاً جدیداً ای صحیحا) قابلا للقرءة لغبن فاحش ثم یهب الفقیر ثم نشم حتی یتم لعل الله تعالی یجعله فدیة فی مقابلة الصوم والصلوة والزکوة والمنذورات الخ کتاب الحیل لامام محمد۔

و فی الحیل اختلاف لسرفراز خان النجدی هو یقول کتاب الحیل لیس لامام محمد۔ فثبت انه جاهل ان کل العلماء یقولون ان کتاب الحیل لامام محمد درة البرر لامام الغزالی ثم منهاج الواضح ص ۲۶۵

نانکروا فهم بلا منکر الحیلة۔ فیه حق و آیات الحیلة

---

(۱) الامام احمد ابن حنبل توفی سنة ۲۴۱ هـ. [۸۵۵ م.] فی بغداد

(۲) الفقیر رجل لا یملك المال بقدر نصاب الفطر سوی المحتاج الیه من الدار واللباس و الغذاء و هو اموال مختلفة و قیمته عشرون مثقالا من الذهب و المثقال عشرون قیراطا وهو اربعة غرام وثمانون سانتی غرام لیرة ذهبیة عثمانیة واحدة و نصف مثقال ونصاب الفطر ۹۶ غراما من الذهب و هو ثلاثة عشر و ثلث لیرة ذهبیة

روایت ہے ابن عباسؓ سے وہ ابی علیہ سے وہ عون سے وہ محمد سے وہ عبداللہ بن عمر سے کہ فرمایا [illegible]
~~[illegible]~~ عمرؓ نے اے مسلمانو قرآن کو وسیلہ پکڑو بیس حلقہ بناؤ اور کہو اے اللہ بخشدے اس میت
کو بوسیلہ قرآن مجید کے اور ثبت ہے اس سند سے اسیطرح کہ روایت ہے سعد سے وہ ابو یحیی وہ
جمیع سے وہ عبدالرحمان سے وہ ابو بکرؓ سے کہ پایا انہوں نے عمرؓ کو دوران قرآن کرتے ہوئے اور قرآن
شافع ہے مومنین کو زندگی میں اور بعد موت کے

اور کہا امام محمد نے کہ آسان طریقہ اس کا یہ ہے کہ دے وارث فقیر کو قرآن مجید نیا دین صحیح)
قابل قرأت واسطے عین فاحش کے ختم پھر دے فقیر پھر اور پھر یہاں تک کہ تمام ہو جائے شاید پھیر دے
اللہ تعالیٰ فدیہ اس کو مقابلہ روزوں کے اور نماز اور زکوٰۃ سے اور نذروں کے
اور کتاب حیل میں اختلاف ہے سرفراز خان نجدی کو وہ کہتا ہے کہ کتاب الحیل امام محمد کی نہیں ہے
پس ثابت ہوا کہ وہ جاہل ہے اسلیئے کہ تمام علما رکھتے ہیں کتاب الحیل امام محمد کی ہے۔

پس سوچ کر اور فکر کر اے منکر حیلہ کے۔ یہ حق ہے اور اسمیں لتشانیا گز جیمن نہیں

ك ودفى المطبوع مصر ص ٤٩٢
ج ٢ الآخر

والمستحق للصدقة من قلنا

المنصوص عليها فى المذهب وعليه العمل اليوم ان يجمع الوارث عشرة رجال ليس فيهم غنى ولا عبد ولا صبى ولا مجنون الخ ومما تعارفه الناس ونص عليه اهل المذهب ان الواجب ادارة مشتملة على نقود او غيرها كجواهر وحلى وبنوالأمر على اعتبار القيمة ولا دارة الصرة طرايق - مجموعه رسائل شامى المجلد الاول ص ٢١٢-٢١١ ك

وان كانت الصلوة كثيرة والحنطة قليلة يعطى ثلثة اصوع عن صلوة يوم وليلة مع الوتر مثلاً الى الفقير ثم يد فعها الفقير الى الفقير ثم يد فعها الفقير الى الوارث هكذا يفعل مرارا حتى يستوعب الصلوة ونحوها كبيرى جلد فوائت ص ٥٨٣ تتارخانيه ثم جواهر النفيس[١] ص ٣٠ المتقط - اشباه والنظائر وشرح بدية ابن العماد[٢] جامع الرموز[٣] كتاب الصوم ص ١٦٢ وقاضى[٤] خان المجلد الاول ص ١٧٠ وشامى جلد اول ص ٢١٢-٢١٠ ان تبرع الولى بالاسقاط يجوز الخ ويجوز التبرع الاجنبى به - مراقى الفلاح ص ٢٦٣[٥] طحطاوى وشامى جلد اول ص ٤٩٢ ومنحة الخالق[٦] المجلد الثانى ص ٩٧

---

(١) مؤلف جواهر النفيسة عمر القاهري توفي سنة ١٠٧٩ هـ. [١٦٦٨ م.]

(٢) عبد الرحمن ابن عماد الحنفي العمادي توفي سنة ١٠٥١ هـ. [١١٨٣ م.] في الشام

(٣) مؤلف جامع الرموز محمد القهستاني توفي سنة ٩٦٢ هـ. [١٥٥٥ م.] في بخارى

(٤) قاضيخان حسن الفرغاني توفي سنة ٥٩٢ هـ. [١١٩٦ م.]

(٥) طبع في كراجي سنة ١٣٩٤ هـ. [١٩٧٤ م.] ص: ٢٣٨

(٦) مؤلف منحة الخالق على البحر الرائق محمد أمين ابن عابدين توفي سنة ١٢٥٢ هـ. [١٨٣٦ م.] في الشام

حیات انبیاء اور شہداء کے بارے میں

جان لے بے شک انبیاء زندہ ہیں اور اپنی قبوروں میں نماز پڑھتے ہیں اور شہدا بھی زندہ ہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اور نہ کہو مردہ اُن کو جو اللہ کے راستے میں قتل کیے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور دوسرے مقام پر فرمایا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے ہیں اور کہا جلال الدین سیوطیؒ نے حاوی الفتاوٰی میں کہ انبیاء افضل ہیں شہداء سے۔ ای افضل ہیں حیوۃ قبریہ میں اور رزق کے کھانے میں

روایت ہے ابو بکر بن شیبہ سے وہ حسین بن علی سے وہ عبدالرحمان بن یزید بن جابر سے وہ ابی الاشعث صنعانی سے وہ شداد بن اوس سے کہ فرمایا رسول اللہ نے افضل ایام میں سے جمعہ ہے اس میں آدمؑ پیدا ہوا اور اسی میں نفخ ہے اور اسی میں صعقہ ہے پس کثرت کرو مجھ پر درود سے اسمیں پس تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے پس کہا ایک آدمی نے یا رسول اللہ ہمارا آپ پر درود کیسے پیش کریں تحقیق آپ تو رخصت ہوئے پس فرمایا آپؐ نے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے

فائدہ ۔ یہ ہوا کہ انبیاء کرام زندہ ہیں اور ہمارے زمانے کے وہابیہ کہتے ہیں کہ وہ مر گئے نعوذ باللہ من شرور انفسہم پس ثابت ہوا کہ وہابیہ تمام

حیوٰۃ الانبیاء والشہداء

اعلم ان الانبیاء احیاءٌ ویصلّون فی قبورھم والشہداء ھم احیاء لقولہ تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء وفی المقام الثانی بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون۔

وقال جلال الدین السیوطیؒ فی الحاوی للفتاوٰی الانبیاء افضل من الشہداء۔ ای افضل فی حیوٰۃ القبر وافضل فی اکل الرزق

حدّثنا ابوبکر بن شیبۃ عن حسین بن علی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن شداد بن اوس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق اٰدم وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ فقال رجل یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمتَ یعنی بلیت فقال ان اللّٰہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ رواہ ابن ماجۃ ص ۷۶

فائدۃ۔ ان الانبیاء احیاءٌ ویقولون الوھابیۃ زماننا ھم اموات العیاذ باللّٰہ من شرور انفسھم فثبت ان الوھابیۃ کلھم

حیات انبیاء اور شہداء کے بارے میں

جان لو بے شک انبیاء زندہ ہیں اور اپنی قبور میں نماز پڑھتے ہیں اور شہدا بھی زندہ ہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اور نہ کہو مردہ اُن کو جو اللہ کے راستے میں قتل کئے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور دوسرے مقام پر فرمایا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے ہیں اور کہا جلال الدین سیوطیؒ نے حاوی الفتاوٰی میں کہ انبیاء افضل ہیں شہداء سے۔ اسی افضل ہیں حیوٰۃ قبریہ میں اور رزق کے کھانے میں

روایت ہے ابوبکر بن شیبہ سے وہ حسین بن علی سے وہ عبدالرحمان بن یزید بن جابر سے وہ ابی الاشعث صنعانی سے وہ شداد بن اوس سے کہ فرمایا رسول اللہ نے افضل ایام میں سے جمعہ ہے اسی میں آدم پیدا ہوا اور اسی میں نفخ ہے اور اسی میں صعقہ ہے پس کثرت کرو مجھ پر درود سے اسمیں پس تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے پس کہا ایک آدمی نے یارسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پیش کریں تحقیق آپ تو رخصت ہوئے پس فرمایا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے

فائدہ - یہ ہوا کہ انبیاء کرام زندہ ہیں اور ہمارے زمانے کے وہابیہ کہتے ہیں کہ وہ مر گئے نعوذ باللہ من شرور انفسہم پس ثابت ہوا کہ وہابیہ تمام

قال مغل كما في الصاوي[1] على الجلالين☆ وكذلك سائر الاموات ايضا يسمعون السلام والكلام ويعرض عليهم اعمال اقاربهم نعم الانبياء يكون حياتهم على الوجه الاكمل ص١١ حاشية ابن ماجه[2]

ثبوت الرزق هم يأكلون في قبورهم

ففي اكل الرزق احاديث كثيرة وللثبوت يكفي واحد للعاقل ولهم كثيرة للمجنون

حدثنا عمرو بن سواد المصري عن عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعيد بن ابي هلال عن يزيد بن ايمن عن عبادة بن نسي عن ابي الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة علي يوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملئكة وان احدا لن يصلي علي الا عرضت علي صلوته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء فنبي الله حي يرزق رواه ابن ماجه ص٧٦

ثبوت صلوة الانبياء في قبورهم

واخرج البيهقي[3] في كتاب حيوة الانبياء عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الانبياء احياء في قبورهم يصلون. رواه البيهقي.

☆ ط في الثالث في المجلد الثاني ص ٣٠٩

---

(١) احمد الصاوي المالكي المصري توفي سنة ١٢٤١ هـ. [١٨٢٥ م.]

(٢) محمد ابن ماجه توفي سنة ٢٧٣ هـ. [٨٨٦ م.]

(٣) احمد البيهقي الشافعي النيشابوري توفي سنة ٤٥٨ هـ. [١٠٦٦ م.]

گمراہ ہیں اور گمراہ کرنیوالے ہیں جیساکہ صاوی میں مذکور ہے اور ایسیہی تمام اموات سنتے ہیں سلام وکلام کو اور ان کے رشتہ داروں کے اعمال ان پر پیش کیئے جاتے ہیں تو ایسا ہی حیوۃ انبیاء ہوگی وجہ اکمل سے۔

ثبوت انبیاء کا قبور میں رزق کھانا

پس اکل الرزق میں احادیث بہت ہیں ایک کہی کہانی ہے اور بہت کچھ۔ روایت ہے عمرو بن سواد مصری سے وہ عبداللہ ابن وہب سے وہ عمرو بن حارث سے وہ سعید بن ابی بلال سے وہ زید بن ایمن سے وہ عبادہ بن نسی سے وہ ابی الدرداء سے کہ فرمایا رسول اللہ نے جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو اسلیئے کہ یہ مشہود ہے گواہی دیتے ہیں فرشتے اور تم میں جب کوئی درود پڑھتا ہے مگر مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس سے فارغ ہوتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں اور بعد موت کے اللہ تعالی نے زمین پر انبیاء کے اجساد حرام کردئیے ہیں اکل کے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے۔

ثبوت انبیاء کا قبور میں نماز پڑھنا

اور کہا بیہقی نے حیاۃ انبیاء میں روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ نے انبیاء زندہ ہیں اپنے قبور میں نماز پڑھتے ہیں۔

واخرج ابونعیم فی الحلیۃ عن یوسف بن عطیۃ قال سمعت ثابتاً البنانی یقول لحمید الطویل هل بلغک ان احداً یصلی فی قبرہ الا الانبیاء؟ قال لا ۔ الحاوی للفتاوی المجلد الثانی صـ ۲٦٤

وذکر عینی البخاری لان الانبیاء علیهم السلام احیاء عند ربهم یرزقون فلا مانع ان یحجوا فی هذا الحال لما ثبت فی صحیح مسلم من حدیث انس انه علیه السلام رأی موسیٰ قائماً فی قبرہ یصلی ۔ عینی البخاری المجلد الرابع صـ ۵٤۳

واخرج البیهقی فی حیوۃ الانبیاء والاصبهانی[1] فی الترغیب عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من صلی علیّ فی یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ قضی اللہ له مائۃ حاجۃ، سبعین من حوائج الاٰخرۃ و ثلاثین من حوائج الدنیا ثم وکل اللہ بذلک ملکا یدخله علیّ فی قبری کما یدخل علیکم الهدایا ان علمی بعد موتی کعلمی فی الحیوۃ ولفظ البیهقی یخبرنی من صلی علیّ باسمه فاثبته عندی فی صحیفۃ بیضاء ۔

والثانی عن انس عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال ان الانبیاء

---

(۱) الاصفهاني احمد ابو نُعيم توفي سنة ٤٣٠ هـ. [١٠٣٩ م.]

اور کہا ابونعیم نے حلیہ میں روایت ہے یوسف بن عطیہ سے کہ سنا میں نے ثابت بنانی سے حمید طویل سے کہہ رہے تھے کہ کیا تجھے معلوم ہوتے کہ انبیاء کیسواکوئی اپنی قبر میں نماز پڑہتا ہے فرمایا کہ نہیں۔

اور ذکر کیا عینی بخاری نے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنے رب سے رزق ملتا ہے بیس کیا ہے کہ ہم حجت پکڑیں اس حال میں جیسا کہ ثابت ہے صحیح مسلم سے حدیث انسؓ سے کہ تحقیق نبی علیہ السلام نے دیکھا موسیٰؑ کو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے

اور کہا بیہقی نے حیات انبیاء میں اور اصفہانی نے ترغیب میں روایت ہے انسؓ سے کہ فرمایا رسول اللہؐ نے جو مجھ پر جمعہ کے دن یارات کو درود پڑھے گا پوری کریگا اللہ تعالیٰ اس کیلیے سو حاجت ستّر حاجات آخرت سے اور تیسؔ دنیا سے پھر موکل بنایا رب تعالیٰ نے اس ایک فرشتہ کو جو داخل ہوتا ہے قبر میں جیسے داخل ہوتے تم پر تحفے بیشک میرا علم بعد موت کے مثل علم حیات کا ہے اور لفظ بیہقی کا کہ بتایا گیا ہوں جس نے مجھ پر نام لیکر درود پڑھا پس وہ ثبوت ہے میرے پاس سعید ضعیف ہیں

اور دوسری حدیث روایت ہے انسؓ سے وہ رسول اللہ سے فرمایا کہ بے شک انبیاء

لا یتزکون فی قبورهم بعدار بعین لیلة ولکنهم یصلون بین یدی الله

حتی ینفخ فی الصور۔ حاوی الفتاوی المجلد الثانی ص ۲۶۵

واخرج ابو یعلی عن ابی هریرة سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم

والذی نفسی بیده لینزلن عیسی بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال

یا محمد لاجیبنه۔

واخرج ابن سعد فی الطبقات وابونعیم فی دلائل النبوة عن سعید

بن المسیب انه کان یلازم المسجد فی ایام الحرة والناس یقتتلون

قال فکنت اذا حانت الصلوٰة اسمع اذانا یخرج من قبل القبر

الشریف وایضًا اخرج ابونعیم فی دلائل النبوة الخ فثبت ان

الانبیاء والشهداء احیاء ومن انکر من حیاتهم فهو خارج

عن مذاهب الاربعة وهو ضال مضل ۔

للمؤلف

انما الرسل والشهداء لا یموتون

بل احیاء عند ربهم یرزقون

بل الکفار لیس یحی فی قبورهم

والانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون

عامر القادری یوم الاحد ۱۵ نوامبر ۱۹۷۶ء میلادی

نہیں چھوڑے جاتے اپنی قبور میں چالیس رات کے بعد ولیکن وہ اللہ کیلئے نمازیں پڑھیں گے تا قیامت۔

اور کہا ابو یعلیٰ نے وہ راوی ہیں ابو ہریرہ سے کہ سنا میں نے نبی علیہ السلام سے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے جس نے نازل کیا عیسیٰ ابن مریم پھر اگر کھڑا ہو میری قبر پر اور کہے یا محمدؐ البتہ میں ضرور جواب دوں گا۔

اور کہا ابن سعد نے طبقات میں اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت ہے سعید بن المسیب سے کہ وہ لازماً جایا کرتے تھے مسجد کو شدید گرمی میں اور لوگ کہا پس جب میں تیار ہوتا نماز کیلئے سنتا میں اذان قبر کے آگے حصہ سے اور شہداء زندہ ہیں جس نے انکی حیات سے انکار کیا پس وہ خارج ہے مذاہب اربعہ سے اور وہ گمراہ ہے اور وں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

یہ شعر مصنف کے لیے

بے شک شہداء اور رسول نہیں مرے ہوئے
بلکہ زندہ ہیں رب کے پاس سے رزق کھاتے ہوئے
ولیکن زندہ ہستی کفار مثل نبی ہمارے
اور انبیاء زندہ ہیں قبور میں نمازیں پڑھتے ہوئے۔

الوسيلة بالانبياء والاولياء

الوسيلة ثابتة بنص قطعي لقوله تعالى وابتغوا اليه الوسيلة -
ولما جاءهم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا
من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما
عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكفرين -
ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله
واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا الرحيما -
ان قلت الانبياء والاولياء ليس الوسيلة بهم عند الله
بل الوسيلة عند الله العمل الصالح ؟

قلنا

قولك بل الوسيلة العمل الصالح فاى الحجة عندك ان عملك
مقبول عند الله ثبت وسيلة العمل الصالحة جائز ولكن
شك فى قبوليته والوسيلة الانبياء ليس فيه شك ومن
اوشك فى مقبوليتهم فقد كفر - وايضا يسئل الوسيلة الامام

وسیلہ انبیاء و اولیاء کا

وسیلہ ثابت ہے قطعی نص سے یہ قول رب تعالیٰ کا اور طلب کرو اسکی طرف وسیلہ
اور جب آئی انکے طرف کتاب اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والی گزشتہ کتابوں کو اور تھے
قبل ازیں طلب فتح کرتے تھے کافروں پر پس جب آئی انکے طرف نہ پہچانا انہوں نے بلکہ منکر
ہوئے اس سے پس لعنت ہو اللہ کی کافروں پر۔
اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کرکے آپ کے پاس آئیں پس بخششے ان کو رب تعالیٰ اور
بخشش مانگے ان کیلئے رسولؐ البتہ ضرور پائینگے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان
اگر تو کہے کہ انبیاء اولیا وسیلہ نہیں بلکہ وسیلہ عند اللہ عمل صالح ہے۔

قلنا

قول تیرا کہ عمل صالح وسیلہ ہے۔ پس کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ تیرے عمل اللہ کے ہاں مقبول ہیں
پس ثابت ہوا کہ وسیلہ اعمال صالح کا جائز ہے۔ لیکن اسکی مقبولیت میں شک ہے اور وسیلہ میں
انبیاء کا اس میں کوئی شک نہیں اور جس نے شک کیا ان کی مقبولیت میں وہ کافر ہے اور اسی طرح
وسیلہ پکڑا امام اعظمؒ نے

الاعظم رضی اللہ عنہ فی قصیدۃ النعمان بن ثابت

یا سید السادات جئتک قاصدا۔ ارجوا رضاک واحتمی بحماک ۔ قصیدۃ النعمان و مجموعہ قصائد ص ۲۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی

وایضاً قال امام شرف الدین بوصیری[۱] فی قصیدۃ البردۃ

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ۔ سواک عند حلول الحادث العمم

وایضاً قال مولانا جامی[۲] المصنف لشرح جامی فی زلیخا

زمہجوری برآمد جان عالم ۔ ترحم یا نبی اللہ ترحم

نہ آخر رحمۃ للعالمینی ۔ زمہجوراں چرا غافل نشینی ۔ زلیخا

وقال مولانا شاہ عبد العزیز محدث الدہلوی فی تفسیر عزیزی پارہ عم سورۃ والضحیٰ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجہک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا ای بزرگ توئی قصہ مختصر

وایضاً قال رئیس المخالفین مولوی اشرف علی التھانوی

---

(۱) محمد البوصيري توفي سنة ٦٩٥ هـ. [١٢٩٥ م.] في مصر

(۲) عبد الرحمن الجامي توفي سنة ٨٩٨ هـ. [١٤٩٢ م.] في هرات

قصیدہ نعمان میں۔ کہ اے سرداروں کے سردار آیا ہوں تیرے پاس قاصد۔ اُمید رکھتا ہوں

تیری رضاجوئی کی اور حمایت کر ساتھ حمایت اپنی کی۔

اور اسی طرح کہا امام بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ میں۔ اے مہربان ~~اخلاق والے~~ مخلوق کے آپکے سوا میرا

کوئی نہیں مصیبتوں کے وقت جسکی پناہ لوں۔

اور اسیطرح کہا مولانا جامیؒ نے جو شرح جامی کے مصنف ہیں زلیخا میں

جدا سے عالم کی جان نکل رہی ہے یا رسول اللہ رحم فرمائیے کیا آپ رحمۃ للعالمین نہیں ہیں؟ پھر

ہم مجبوروں سے کیوں فارغ ہو بیٹھے۔

اور کہا مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر عزیزی میں

اے صاحب جمال والے اور اے بشر کے سردار آپکے چہرہ مبارک سے چاند منور ہے نہیں ممکن

تعریف تمہاری جیسا کہ حق ہے مختصر یہی ہے کہ خدا کے بعد آپ کی ذات بزرگ ہے

اور اسی طرح کہا مخالفین کے سردار مولوی اشرف علی تھانوی نے

یاشفیع العباد خذ بیدی، انت فی الاضطرار معتمدی

نشر الطیب مطبوعہ تاج کمپنی ص ۱۹۴ حوالہ نمبر ۱۳۔ تاج

فتوی در جواز التوسل بالانبیاء والاولیاء عند الوہابیہ

عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعاء من الانبیاء والاولیاء والشہداء والصالحین عند حیاتہم وعند بعد وفاتہم بہذا اللفظ اللہم نسئلک بوسیلۃ فلان ویقول کہذا الکلمات شیخ مولوی محمد اسحاق[1] محدث دہلوی ثم المکی وفتاوی رشیدیہ جلد اول ص ۹۳

اللہم انصرنا علیہم بالنبی المبعوث فی اخر الزمان بجد صفتہ فی التوراۃ وبہذا الکلام یستفتحون الیہود الوسیلۃ بجاہ النبی الکریم کما فی معالم التنزیل والخازن و تفسیر الکبیر وتفسیر مظہری لقاضی ثناء اللہ پانی پتی[2] ص ۱۹۴ ج ۱ وتفسیر جمل المجلد الاول ص ۷۷ مطبوعہ مصر

وعن انس بن مالک ان عمر بن الخطاب انا کنا نتوسل الیک بنبینا علیہ السلام فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم النبی

(۱) محمد اسحاق بن افضل بن عبد العزیز الدهلوي النجدي توفي سنة ۱۲۶۲ هـ. [۱۸۴۵ م.]

(۲) ثناء الله پانیتی خلیفه مظهر جانجانان توفي سنة ۱۲۲۵ هـ. [۱۸۱۰ م.] في پانی پت هند و سید مظهر جانجانان استشهد سنة ۱۱۹۵ هـ. [۱۷۸۱ م.] في دلهي

اے شفاعت کرنے والے بندوں کے میرا ہاتھ پکڑ لیجیئے اس لئے کہ تو میرا آپ پر اعتماد ہے مصائب میں

فتوای جواز توسل میں انبیاء و اولیاء کیساتھ وہابیہ کے نزدیک۔ ہم اور ہمارے علماء توسل کو

دعاؤں میں جائز سمجھتے ہیں اولیاء و انبیاء و شہداء اور صالحین کا اُنکی حیات میں اور

بعد وفات میں ان الفاظ سے اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں بحق فلاں کے اور اس جیسے اور

کلمات بھی۔

اے اللہ مدد گار ہو ہمارا نبیؐ سے جو مبعوث ہو گئے آخر زمانہ میں نعت اُنکی ہم تورات میں پائی

اس کلام سے یہود وسیلہ کرتے تھے ساتھ بزرگی نبی علیہ السلام کے جیسا کہ معالم التنزیل اور خازن

میں اور تفسیر کبیر میں

اور روایت ہے انس بن مالک سے کہ عمر بن الخطاب ہم توسل کرتے تھے تیری طرف

نبی علیہ السلام سے پس تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم توسل کرتے ہیں تیری طرف

نبی علیہ السلام سے

فاسقنا قال فیسقون رواه البخاری ص ۱۳۷ ج ۱ والمشکوٰۃ فی باب صلوٰۃ الاستسقاء۔

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اعترف اٰدم علیہ السلام بالخطیئۃ قال یا رب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی فقال اللہ یا اٰدم کیف عرفت محمدا الخ فقال اللہ تعالیٰ اذ سئلتنی بحقہ فقد غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک۔ شفاء السقام[۱] ص ۱۶۲، ۱۶۱

وقال شاہ عبد العزیز محدث الدہلوی[۲] ۔ انا المرید ی جامع لشتاتہ اذا ما سطا جوار الزمان بنکبۃ وان کنت فی ضیق وکرب ووحشۃ فناد بیا زروق آت بسرعۃ بستان المحدثین ص ۱۳۵ واردو ص ۲۰۶

ومن انکر التوسل بہ بعد ہذین المعنیین فہو کافر مرتد یستتاب فان تاب والا قتل مرتدا۔ التوسل والوسیلۃ ص ۱۳ بیروت

واما دعاءہ وشفاعتہ وانتفاع المسلمین بذالک فمن انکرہ فہو ایضا کافر۔ التوسل والوسیلۃ ص ۱۳ مطبوعہ بیروت لبنان

---

(۱) مؤلف شفاء السقام ابو الحسن علي السبكي توفي سنة ٧٥٦ هـ. [١٣٥٥ م.] في القاهرة

(۲) شاه عبد العزيز دهلوى ابن شاه ولى الله دهلوى توفى سنة ١٢٣٩ هـ. [١٨٢٤ م.] فى دلهى

پس برسا ہم پر پس برسی بارش۔

روایت ہے عمر بن الخطاب سے کہ فرمایا رسول اللہ نے جب سرزد ہوئی خطا آدم علیہ السلام سے کہ اے رب سوال کرتا ہوں تجھ سے بوسیلہ محمدؐ کے بخشدے مجھے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم کیا جانتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الخ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تو مجھ سے محمدؐ کی وسیلہ سے مانگتا ہے تو میں نے تجھے بخش دیا۔

اور کہا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے میں اپنے مرید کا اس کی پراگندیوں میں جامع ہوں جبکہ جور زمانہ سختیوں کے ساتھ اس پر حملہ کرے گا اگر تو تنگی اور سختی میں ہو تو یا رزوق کہہ کر مجھے پکار میں جلدی آؤں گا

اور جس نے انکار کیا توسل کا ان معنیٰ سے پس وہ کافر و مرتد ہے توبہ کرے ورنہ قتل ہو گا مرتد

اور وہ موجود ہے اور شفاعت ہے آپ کی اور نفع پہنچانا مسلمانوں کو آپؐ کے ساتھ پس جس نے انکار کیا اس سے پس وہ اسی طرح کافر ہے۔

استفتاء

اخذ الاجرة بلا شرط على تعليم القرآن جائز ام لا
بينوا وتوجروا؟

الجواب بعون الملك الوهاب

اخذ الاجرة بلا شرط على تعليم القرآن جائز فى زماننا كما فى كتب الفقهاء ـ والمفتى اليوم بصحتها لان المنع فى ذلك الزمان لرغبة الناس فى التعليم وحسبة ومروة المتعلمين فى مجازات الاحسان بالاستحسان بلا شرط فى زماننا ـ شرح الياس المجلد الثالث ص ١٢٣

وبعض مشائخنا استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لانه ظهر التوانى فى الامور الدينية ففى الامتناع يضيع حفظ القرآن وعليه الفتوى ـ بدايه جلد الثالث ص ٣٠٣

وقال فى البريقة[1] شرح الطريقة المحمدية اذ المريكن عقد ولا شرط فقرو الروح الميت رضا الله تعالى فاعطاه قريب الميت شيئاً من المال فجائز ـ البريقة ص

ويجوز الاستيجار على القرءة والدعاء حادى الغنائى ص ١٩٧ مطبوعه

(١) مؤلف البريقة محمد الخادمي توفي سنة ١١٧٦ هـ. [١٧٦٢ م.] في قونية

فتوٰی

اُجرت بلا شرط تعلیم قرآن پر لینا جائز ہے یا نہیں بینوا و توجروا ؟

جواب

اُجرت بلا شرط تعلیم قرآن پر ہمارے زمانہ میں لینا جائز ہے جیسا کہ کُتب فقہاء میں اور فتوٰی اسکے صحیح ہونے پر ہے اس لئے کہ منع اس زمانہ میں واسطے رغبت لوگوں کے تعلیم میں از روئے حسبت اور کسانی متعلمین کیلئے بارے احسان بالاحسان بغیر شرط کے جائز ہے۔

اور علماء ہمارے نے مستحسن جانا اُجرت تعلیم قرآن پر آج کل اس لیئے کہ ظاہر ہوا اپنا نا اُمور دینیہ میں پس اسکے منع کرنے سے ضائع ہوتا ہے حفاظت قرآن کی اور اسی پر فتوٰی ہے۔

اور کہا بریقہ شرح طریقہ محمدیہ میں جب کہ نہ ہو عقد اور شرط پس پڑھا جائے میت کی روح کیلئے اللہ کی رضا کی خاطر پس دے قریب میت سے ختم مال ہے پس جائز ہے۔

اور جائز ہے اُجرت قرأت اور دُعا پر۔

ویجوز الاستیجار علی تعلیم القرآن وقرءة القرآن عند القبر

عالمگیری[1] تعلیم اللغة والادب ص ۲۷۲ جلد خامس۔

ثبت ان الاستیجار علی تعلیم القرآن جائز فی زماننا کما اختاره علماء المتاخرین۔

مفتی اعظم سرحد علامہ شائستہ گل صاحب المتوی ومولانا عبدالسبحان القادری ومولانا عامر القادری ہوالصحیح المجیب المصیب مولانا محمد یعقوب قادری

الغیب العطائی للنبی علیہ السلام

تعریف ماغاب عن العباد

اثبات بالآیات۔ قولہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول پ ۲۹ الجن

وما ھو علی الغیب بضنین ای ماھو البخیل علی الغیب فان اللہ لا یخفی الغیب علی النبی علیہ السلام بل مظاھر علیہ جمیع المغیبات

فان قلت النبی علیہ السلام لیس العالم بغیب لقولہ تعالیٰ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ قل لا یعلم الغیب الا اللہ

---

(۱) محمد أورنكزيب عالمكير سلطان الهند توفي سنة ۱۱۱۸ هـ. [۱۷۰۷ م.]

اور جائز ہے اُجرت تعلیم قرآن پر اور پڑھنا قرآن کا قبر کے نزدیک۔
پس ثابت ہوا کہ اُجرت تعلیم قرآن پر ہمارے زمانہ میں جائز ہے جیسا کہ علماء متاخرین نے مختار کیا ہے۔

غیب عطائی للنبی علیہ السلام

تعریف جو غائب ہو آدمیوں سے
یہ قول رب تعالیٰ کا پس نہیں ظاہر کرتا ہے غیب کو کسی پر مگر جس رسول پر راضی ہو جائے۔
اور نہیں وہ غیب بتانے میں بخیل پس اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ کرتا غیب کو بلکہ ظاہر کرتا ہے تمام مغیبات کو آپ پر

پس اگر کوئی کہے کہ نبی علیہ السلام عالم الغیب نہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اور اسکے ہاں غیب کی کنجیاں ہیں نہیں جانتا کوئی اسے مگر وہی۔ فرماد و نہیں جانتا کوئی غیب

ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ما تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر

قلنا

یعطی الغیب للنبی علیہ السلام کما قال اللہ تعالیٰ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک وقال قاضی عیاض فالنبوۃ فی لغۃ من ھمز ما خوذۃ من النبأ وھو الخبر والمعنی ان اللہ تعالیٰ اطلعہ علی غیبہ شفا شریف المجلد الاول ص ۱۴۱-۱۴۱

وقال اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فاٰمنوا باللہ ورسولہ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم۔ وقال الشاعر۔ تو دانائے ما کان وما یکون ہے

مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں۔

ای یا رسول اللہ ان اللہ تعالیٰ یعطی لک الغیب ولکن الوھابیۃ لا ینظرون الی غیبک۔

وقال حسین احمد الدیوبندی للنبوۃ علم للملئکۃ وعلم التقدیر وعلم احوال الساعۃ وعلم الحشر والنشر وعلم الجنۃ والنار وعلم الحلال والحرام

سوائے اللہ کے اور اللہ کے نزدیک علم ہے قیامت کا اور نزول بارش کا اور جانتا ہے ارحام میں سب کچھ اور نہیں جانتا کوئی کس زمین پر مرے گا اللہ تعالیٰ عالم ہے باخبر ہو

قلنا

ہر نبی علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا ہے جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ غیب کی خبریں ہیں ہم نے آپؐ کی طرف وحی کیں اور کہا قاضی عیاضؒ نے پس نبوت لغت میں ہمز ماخوذ ہے نبأ اور خبر ہے اور معنیٰ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مطلع کیا آپ پر غیب کو اور یہ قول رب تعالیٰ کا اور نہیں رب تعالیٰ کہ اطلاع دے تم کو غیب پر ولیکن اللہ جس رسول کو چن لے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اگر تم ایمان لائے اور ڈرے پس تمہارے لئے اجر عظیم ہے

شعر کا مطلب ۔ یعنی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو علم غیب عطا فرمایا ولیکن وہابیہ آپکے غیب کو بھیس دیکھتے ۔

اور کہا حسین احمد مدنی نجدی دیوبندی نے لنبوت کبیٰ مدائکہ کا علم تقدیر کا علم اور قیامت کا علم حشر و نشر کا علم جنت و دوزخ کا علم حلال و حرام کا علم ۔

الشهاب الثاقب ص ۱۰۱
من استوعب على النبى صلى الله عليه وسلم اواهانه فقد كفر كما فى خلاصة الفتاوى فى بيان الفاظ وكلمة الكفر۔
والوهابيه يقولون وا ما الغيب للنبى عليه السلام فعالم عليه زيد وعمر العياذ بالله۔

علم ما فى الارحام للنبى عليه السلام

اخرج الخطيب [۱] وابو نعيم فى الدلائل عن ابن عباس قال حدثتنى ام الفضل قال مررت بالنبى عليه السلام فقال انك حامل بغلام الخ طبرانى فى الكبير وقال السيوطى سند حسن صحيح كما فى جامع الكبير۔

علم باى ارض تموت

وفى صحيح مسلم عن انس [۲] رض ندب رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس فانطلقوا حتى نزلوا بدرا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا مصرع فلان ويضع يده على الارض ههنا وههنا فقال فما ماط (اى ما زال) و ما تجاوز احدهم عن موضع يد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى حديثه عن امير المؤمنين عمر رض والذى بعثه بالحق ما اخطؤا الحدود التى حدها رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه مسلم

---

(۱) الخطيب البغدادي احمد الشافعي توفي سنة ٤٦٣ هـ. [١٠٧١ م.] في بغداد

(۲) مسلم النيشابوري الشافعي توفي سنة ٢٦١ هـ. [٨٧٥ م.] في نيشابور

جس نے نبی علیہ السلام کی عیب جوئی کی اور اہانت کی پس تحقیق وہ کافر ہے کما فی خلاصۃ الفتاوی
بیان الفاظ لغو اور کلمہ لغو میں ہے۔
اور وہابیہ کہتے ہیں کہ غیب نبی علیہ السلام جیسا زید و عمر کیلئے بھی ہے۔ نعوذ باللہ

ما فی الارحام کا علم

کہا خطیب نے اور ابو نعیم نے دلائل کے اندر روایت ہے ابن عباس سے کہا کہ بتایا مجھے ام الفضل نے کہ گزری میں نبی علیہ السلام پر پس فرمایا آپ نے بیشک تو حاملہ ہے لڑکے پر

علم کہ کونسی جگہ مرے گا

اور صحیح مسلم میں ہے روایت ہے انس سے
یہاں تک کہ پہنچے بدر کو پس فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ یہ فلاں کی مرنے کی جگہ ہے
اور رکھا اپنا ہاتھ زمین پر جگہ جگہ پر راوی کہتے ہیں کہ نہیں ہوئی تبدیل جگہ کسی کی جہاں آپ نے ہاتھ رکھا تھا اور ایک حدیث میں روایت ہے امیر المومنین عمر سے کہ قسم ہے جس نے بھیجا آپ کو حق کے ساتھ نہیں خطا ہوتی حدیں وہ جو حد رکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علم ويُنزل الغيث

اخرج البيهقي عن ابن عباس قال اصابتنا سحابة فخرج علينا النبيﷺ فقال ان ملكاً موكلاً بالسحاب دخل عليَّ آنفاً فسلم عليَّ واخبرني ان يسوق السحاب الى وادٍ باليمن يقال له ضريح فجاءنا راكب بعد ذلك فسألناه عن السحابة فاخبر انهم مطروا في ذلك اليوم قال البيهقي وله شاهد مرسل عن بكر بن عبد الله المزني ان النبي عليه السلام اخبر ناعن مالك السحاب انه يجيئ من بلد كذا وانهم مطروا يوم كذا وانه صلى الله عليه وسلم - الدولة المكية

علم وما تدري نفسٌ ماذا تكسب غداً

وفي الصحيحين عن سهل بن سعدؓ في حديث خيبر قوله صلى الله عليه وسلم لاعطين هذه الراية غداً رجلاً يفتح الله على يديه يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله فاعطاها علياً. فثبت انه عليه السلام كان يقول موكداً باللام والنون فقد علم - الدولة المكية - لاحمد رضا خان بريلويؒ[1]

---

(١) احمد رضاخان البريلوي توفي سنة ١٣٤٠ هـ. [١٩٢١ م.]

علم بارش کا

روایت کی ابن عباس سے بیہقی نے کہ پہنچا ہمیں بادل بیں نکلے ہم پر نبی علیہ السلام پس فرمایا کہ بادل کا فرشتہ میرے پاس آیا اور مجھ پر سلام کیا اور مجھے بتایا کہ بارش ہوگی وادیِ یمن میں جسے ضریح کہتے ہیں پس آیا ایک مسافر سوار اسکے بعد پس ہم نے بادل کا پوچھا پس بتایا کہ یہ بارش کرینگے اسی دن میں لفظ بیہقی کا اُس واسطے شاہد مرسل تھا۔ روایت ہے بکر بن عبداللہ المزنی سے کہ تحقیق نبی علیہ السلام نے ہم کو بتایا بادل کے فرشتہ سے کہ یہ آئے فلاں شہر کو اور اس دن بارش کرینگے

علم کہ صبح کوئی کیا کریگا۔

اور صحیحین میں ہے روایت سہل بن سعد سے حدیث خیبر میں کہ یہ قول آپ ؐ کا کہ البتہ ضرور دونگا یہ جھنڈا صبح اُس آدمی کو جس کے ہاتھوں اللہ فتح دے گا جسے محبوب رکھتا ہے اللہ اور رسول اُس کا اور وہ محبت رکھتا ہے اللہ ورسولؐ کے ساتھ پس دیا وہ جھنڈا علیؓ کو پس ثابت ہوا نبی علیہ السلام زمانہ بے تمھے ساتھ لام اور نون تاکیدی کے ساتھ پس تحقیق اُن کو علم تھا۔

قول غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وقد ذکر شاہ عبد العزیز محدث الدہلویؒ فی تفسیر فتح العزیز والاطلاع علی اللوح المحفوظ بمطالعۃ النقوش ایضاً منقول عن بعض الاولیاء اللہ تعالیٰ۔ کما قال سیدنا غوث اعظمؒ عینی فی اللوح المحفوظ قال الامام القسطلانیؒ فی ارشاد الساری شرح بخاری ولا یعلم متیٰ تقوم الساعۃ احدٌ الا اللہ والا من ارتضی من رسول فانہ یطلعہ علی ما یشاء من غیبہ والولی تابع لہ یاخذ عنہ۔

وقال العلامۃ حسن بن المدابغی فی حاشیۃ فتح المبین و فی شروح الاربعین للنووی، جمع ای اللہ تعالیٰ لم یقبض روح نبینا علیہ الصلوۃ والسلام حتیٰ اطلعہ علیٰ کل ما ابہمہ عنہ الا انہ امر بکتم بعض والاعلام ببعض۔ انتہی۔

وقال ابراھیم بیجوری[1] فی شرح قصیدۃ البردۃ۔ انہ لم یخرج النبی علیہ السلام من الدنیا الا بعد ان علمہ اللہ تعالیٰ بھذہ الامور اعنی الخمس

---

(١) ابراهيم الباجوري المصري الشافعي توفي سنة ١٢٧٦ هـ. [١٨٥٩ م.]

ارشاد غوث اعظم کا

اور تحقیق ذکر کیا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر فتح العزیز میں کہ اطلاع لوح محفوظ پر بمطالعہ نقوش کے اسی طرح منقول ہے بعض اولیاء اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ فرمایا سیدنا غوث اعظمؓ نے میری آنکھیں لوح محفوظ پر ہیں امام قسطلانی نے بخاری کی شرح ارشاد الساری میں اور نہیں جانتا کوئی کہ کب قیامت قائم ہوگی سوائے اللہ کے مگر جس رسول پر اللہ راضی ہو جائے پس وہ مطلع کرتا ہے اُسے جس پر چاہے غیب سے اور ولی تابع ہے نبی کو اُس سے لیتا ہے۔

اور کہا علامہ حسن بن عبدالغنی نے حاشیہ فتح المبین اور شرح اربعین نووی میں اجماع ہے اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی روح قبض نہیں کی حتی کہ مطلع کیا آپ کو تمام پر اُس سے مگر کہ آپ مامور ہیں پوشیدہ کرنے پر اُسے بعض پر اور بتانے بعض پر

اور کہا ابراہیم بیجوریؒ نے شرح قصیدہ بردہ میں کہ نبی علیہ السلام نہیں گئے دنیا سے مگر بعد کہ علم دیا آپ کو اُمور خمسہ کا۔

شفاعة النبي عليه السلام للمؤمنين

ثبت بنص قطعي لا ريب فيه لقوله تعالى: يومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضي له قولا

سورة طٰه۔

وفي هذه عقيدة الوهابية ايضا فيه ليس احد بشافع من النبي والولي ومن اعتقد انهما شفيع هو مشرك كابوجهل

تقوية الايمان[1] ص ۸

ثم تلينا قوله تعالى ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له سورة سبأ وقوله تعالى ما من شفيع الا من بعد اذنه

سورة يونس۔

واما السنة فما روي عن عثمان يشفع يوم القيمة ثلاثة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء۔ جامع صغير ص ۲۰۷ ج ۲

شفاعتي لاهل الكبائر من امتي مشكوٰة ص ۴۹۴

شفاعتي لأهل الذنوب من امتي جامع صغير ص ۳۳ ج ۲

ثبت ان الانبياء والأولياء شفيع للمذنبين يوم القيمة ومن انكر من الشفاعة كالوهابية فالنبي ع لا يشفع له والوهابية حرم عليهم الشفاعة لما في فتح الباري من كذب بالشفاعة فلا نصيب له فيها

فتح الباري ص ۱۹۰ پ ۲۷ رز

---

(۱) مؤلف تقوية الايمان اسماعيل الدهلوي الوهابي توفي سنة ١٢٤٦ هـ. [١٨٣١ م.]

شافع ہونا نبی علیہ السلام کا مومنوں کیلئے۔

شفاعت نصِ قطعی سے ثابت ہے اسمیں کوئی شک نہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اُس دن نفع نہ دیگی شفاعت مگر کہ جسے اِذن دے رب تعالیٰ اور راضی ہو اس پر اور اس جگہ میں وہابیہ کا عقیدہ ہے کہ کوئی نبی ولی شفاعت نہیں کر سکتا اور جس نے اُن کو شفیع اعتقاد کیا وہ ابوجہل جیسا مشرک ہے

پھر ہم کہتے ہیں کہ فرمان رب تعالیٰ کا اور اسکے نزدیک شفاعت نفع نہیں دیتی مگر جسے حکم دے اور یہ قول رب تعالیٰ کا کوئی شفیع نہیں مگر اُس کے حکم کے بعد

اور حدیث میں جو روایت ہے عثمانؓ سے شفاعت کرینگے قیامت کے دن تین انبیاء علماء شہداء۔

میری شفاعت بڑے گنہگاران اُمت کیلئے۔

وقال الامام الاعظم[1] شفاعة الانبياء حق و
شفاعة نبينا عليه الصلوٰة والسلام للمومنين
المذنبين ولاهل الكبائر منهم المستوجبين للعقاب
حق ثابت، شرح عقائد ص ۸۷ و فقه اکبر ص ۳

و انکار شفاعت بدعت و ضلالت است چنانکه خوارج و بعض
معتزلہ براں رفتند۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد الرابع ص ۳۸۸

و شفاعت الاولیاء ایضا ثابت باحادیث کثیرة
فمن الاول عن ابن عباس قال النبی علیه الصلوٰة
والسلام سیکون فی امتی رجل یقال له اویس بن عبدالله
القرنی وان شفاعته فی امتی مثل ربیعة و مضر جامع الصغیر ص ۳۰ ج ۲
فان قلت الولی لیس بشافع یوم القیمة

قلنا

الولی تابع للنبی فکیف شفاعة الاولیاء لا ینتفع للمذنبین
لما ذکرنا۔ والولی کان عالما۔ ان کان الولی لیس بعالم
فهو لیس بولی۔

ونعتقد ان شفاعة نبینا صلی الله علیه وسلم وجمیع الانبیاء
والصالحین حق ولکن بعد اذن الله للشافع۔
قواعد الارلجة ص ۱۴ مطبوعه بیروت

(۱) امام اعظم نعمان بن ثابت كوفي ولد سنة ۸۰ و توفي سنة ۱۵۰ هـ. [۷٦۷ م.] في بغداد

پس ثابت ہوا کہ انبیاء اولیاء شافع ہونگے مومنین کیلئے قیامت کے دن۔ اور جسنے انکار کیا شفاعت سے جیسے وہابیہ کے پس نبی علیہ السلام اُس کیلئے شفاعت نہیں کرینگے۔ اور وہابیہ پر شفاعت حرام ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے جس نے شفاعت کو جھٹلایا اُس کیلئے اُس میں کوئی حصہ نہیں۔

اور کہا امام اعظمؒ نے شفاعت انبیا کی حق ہے اور شفاعت نبی علیہ السلام کی مومن گنہگاروں کیلئے اور بڑوں کیلئے جو مستوجب ہیں عذاب کے حق ہے ثابت ہے۔

اور انکار شفاعت بدعت و گمراہی ہے جیسا کہ خوارج و معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

اور شفاعت اولیاء اللہ کی بھی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ روایت ہے ابن عباس سے کہ فرمایا نبی علیہ السلام نے عنقریب میری اُمت میں ایک اویس بن عبداللہ قرنی نامی شخص ہوگا۔

اور اُسکی شفاعت میری اُمت میں مثل ربیعہ و مضر کی ہوگی۔
اگر تو کہے کہ ولی دن قیامت کے شفیع نہیں ہو سکتا

قلنا

ولی تابع ہوتا ہے نبی کے پس کیونکر اولیاء کی شفاعت گنہگار مومنین کو نہ ہوگی جیسے ہم نے ذکر کیا ہے اور ولی ہوتا ہے عالم۔ اگر وہ عالم نہ ہو تو وہ ولی ہی نہیں۔

اور ہمارا عقیدہ ہے کہ شفاعت نبی علیہ السلام کی اور تمام انبیاء کی بھی حق ہے۔ ولیکن اللہ کے اذن کے بعد۔

ایصال الثواب للاموات

هی ثابت بدلیل قطعی وقد تواترت بہ الاخبار ان کان بالدعاء والمال۔

قولہ تعالیٰ وصل علیہم ان صلوٰتک سکن لھم التوبۃ پ ۱۱

واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات سورہ محمد پ ۲۶

والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض شوریٰ پ ۲۵

واما السنۃ فما روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن جابر قال شھد مع رسول اللّٰہ الاضحیٰ فی المصلی فلما قضی خطبۃ نزل من منبرہ واتی بکبش فذبحہ رسول اللّٰہ بیدیہ وقال بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر ھٰذا عنی وعمن لم یضح من امتی رواہ ابوداود باب العیدین

عن ابی ھریرۃ اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ جامع الصغیر ص ۲۹ ج ۱

وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفع لھم خلافاً للمعتزلۃ شرح عقائد نسفی[1] ص ۱۲۲ الطحطاوی ص ۳۴۱ شرح القاری للفقہ اکبر ص ۱۵۶ وفتح القدیر[2] المجلد الاول ص ۴۰۴ ۔

---

(۱) شارح العقائد النسفي سعد الدين مسعود التفتازاني توفي سنة ٧٩٢ هـ. [١٣٨٩ م.] في سمرقند

(٢) مؤلف فتح القدير كمال الدين محمد ابن همام توفي سنة ٨٦١ هـ. [١٤٥٦ م.]

مُردوں کیلئے ایصال ثواب

یہ ثابت ہے دلیل قطعی سے اور اس پر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں اگرچہ ہو

ساتھ مال کے اور دُعا کے۔

یہ قول رب تعالی کا او دعا بھیجو ان پر تحقیق آپؐ کی دُعا اُن کیلئے تسکین ہے۔

اور بخشش مانگیں آپ گنہگار مؤمنوں اور مؤمنات کیلئے

اور ملائکہ تسبیح کرتے ہیں ساتھ حمد اپنی رب کے اور زمین والوں کیلئے بخشش مانگتے ہیں۔

اور حدیث جو ہے نبی علیہ السلام کی روایت ہے جابر سے کہا کہ حاضر تھے ہم ساتھ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عید الضحٰے میں عید گاہ میں جب آپؐ خطبہ پڑھ کر فارغ

ہوئے اُترے منبر سے لایا گیا ایک گوسفند پس ذبح کیا اُسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

اور کہا بسم اللہ اللہ اکبر۔ یہ میری قربانی اور جو میری اُمت سے نہیں کر سکتا اُسکی طرف

سے ہے۔

روایت ہے ابو ھریرہؓ سے جس وقت فوت ہو انسان منقطع ہوتے ہیں عمل اُسکے سوائے تین کے

صدقہ جاریہ۔ اور علم کہ نفع حاصل کرے اُس سے یا بچہ صالح کہ دُعا کرے اس کیلئے۔

اور دُعا کرنا زندوں کا اور صدقہ دینا مردوں کیلئے نفع ہے اُن کیلئے خلاف ثابت

ہے معتزلہ کیلئے۔

اور شرح بخاری میں ہے کہ صدقہ نافلہ مٹانے والا ہے بہت گناہوں کو جو داخل کرتے ہیں

دوزخ میں۔

آزاد کیا اگر غلام تو ثواب میت کو ہوگا اور اسی طرح صدقات اور دعوات مال

وفی شرح البخاری القسطلانی۔ الصدقۃ النافلۃ ماحیۃ لکثیر
من الذنوب المدخلۃ النار کتاب العلم ص ۱۹۰ ج ۱ فتح القدیر ص ۲۰۸ ج ۱
اعتق عبدہ عن ابیہ فالاجر للمیت ان شاء اللہ تعالیٰ و
کذا الصدقات والدعوات لابویہ وکل مؤمن یکون
الاجر لهم من غیر ان ینقص من اجر الابن شیئ علی الصحیح
من مذہب جمہور العلماء۔ درمختار۔ شامی ص ۷۹ ج ۵
ویستحب ان یتصدق علی المیت بعد الدفن الی سبعۃ ایام
کل یوم بشیئ مما تیسر طحطاوی کتاب الجنائز ص ۳۶۳ اشعۃ اللمعات[1] ص ۷۳۴
برہنہ ۱۲۰ ص ۳۶۳ شامی جنائز ص ۶۳۰ ج ۱ فتح القدیر ص ۳۶۵ کبیری ص ۶۵۸

الضیافۃ ممنوع عند اهل المیت

وقال بعض الجهال من الوهابیۃ ان الطعام مکروہ عند اهل المیت
الی ثلثۃ ایام ؟ قلنا
صرح الفقهاء ان الطعام مکروہ عند اهل المیت هو الضیافۃ کما
فی خلاصۃ الفتاوی۔ لا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام
خلاصۃ الفتاوی جلد ثانی ص ۵۳۶ تتارخانیۃ والهندیۃ جلد اول ص ۲۳۵

---

(١) مؤلف أشعة اللمعات شرح المشكوة الفارسي عبد الحق الدهلوي توفي سنة ١٠٥٢ هـ. [١٦٤٢ م.] في دهلي

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت۔ فتح القدیر جلد اول صـ ۳۰۲
کبیری الجنائز صـ ۶۵۰ و شامی صـ ۶۰۳ جنایز

وبعض الجہال من الوہابیۃ والنجبیریۃ ان اتخاذ الطعام فی اھل المیت منع مطلقا بدلیلہم وھو الحدیث روی عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد وفی روایۃ نری الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ رواہ احمد وکبیری صـ ۶۵۰

قلنا

ان الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ صرح ان ھذا الحدیث فی حق الضیافۃ فقط۔ ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من أھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن وقالوا ھی بدعۃ مستقبحۃ لما روی امام احمد عن جریر بن عبد اللہ الحدیث۔ کبیری صـ ۶۵۰ و شامی جلد اول صـ ۶۰۳

فثبت جواز ایصال الثواب فیایہا الوہابیۃ کلوا باسم اللہ لان ایصال الثواب سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عامر القادری غلام از غلامان مصطفیٰ و عبد المصطفیٰ ۱۰ ۱۹۷۶ء = ۱۳۹۶ھ
دار العلوم قادریہ سبحانیہ ڈرگ کالونی ۵ کراچی ۲۵ پاکستان

فہرس العقائد الصحیحۃ

صفحہ	مضمون
۱	خطبۃ الکتاب دیباچہ کتاب ہٰذا
۴	خطبۃ الامام الغزالیؒ امام غزالی رحمۃ اللہ کا مضمون
۶	التنزیہ للہ تعالیٰ خداتعالیٰ کے تقدس کا بیان
۸	الحیوۃ والقدرۃ لہ تعالیٰ خدا کی زندگی اور قوت کا بیان
۹	العلم خدا کے علم اور خدا کے معلومات کا بیان
۱۰	الارادۃ والسمع والبصر خدا کے ارادوں، قوت شنوائی اور بینائی کا بیان
۱۲	الکلام خدا کے کلام کا بیان
۱۴	الافعال افعالِ خداوندی کا بیان
۱۵	الکلمۃ الثانیہ دوسری فصل
۱۹	قال المؤلف مقولہ مصنف
۲۰	افتراق الامۃ علی ثلاث وسبعین فرقۃ امت محمدیہ کا ۷۳ فرقے بننا
۲۴	الحقیقۃ والمجاز قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان
۲۷	مسئلۃ علم الغیب للنبی صلعم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کا حاصل ہونا
۳۴	مسئلۃ ایصال الثواب لارواح الموتیٰ میت کو ثواب پہنچانا

صفحہ	مضمون
۴۷	مسئلۃ البشریۃ لرسول اللہ صلعم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت
۵۰	مسئلۃ التعظیم لغیر اللہ تعالیٰ غیر اللہ کی تعظیم
۵۴	مسئلۃ سماع الموتیٰ مُردوں کا سُننا
۵۷	مسئلۃ التوسل عند اللہ تعالیٰ بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ لانا
۵۹	مسئلۃ نداء الغائب غائب کو بُلانا
۶۱	مسئلۃ زیارۃ قبور الصلحاء صالحین کے مقبروں کی زیارت
۶۳	مسئلۃ الشفاعۃ للنبی صلعم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا
۶۹	مسئلۃ اعراس المشائخ مزاراتِ اولیاء اللہ پر عرس
۷۲	مسئلۃ تصورہ علیہ الصلوۃ والسلام نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا
۷۵	مسئلۃ اللفظۃ السید مع اسمہ ﷺ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ساتھ تعظیمی
۷۵	مسئلۃ اشتراک الغیر مع اللہ تعالیٰ خدا سے کسی مخلوق کو شریک کرنا
۷۶	مسئلۃ امکان الکذب معاذ اللہ خدا کا جھوٹ بولنا
۷۸	مسئلۃ الاستمداد اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا
۷۹	مسئلۃ تسمیۃ الاولاد بچوں کا نام انبیاء و اولیاء سے منسوب کرنا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام
على نبيّه ورسوله المصطفى وعلى
اله واصحبه البررة التقى
امابعد فيقول العبد الضعيف
محمّد حسن جان الفاروقى الحنفى[١]
انى رأيت فى هذا الزمان اختلافا
كثيرًا بين الحنفيّة والوهابيّة
فى العقائد حتى فى الالهيات و
الرسالة ومسائل الشريعة
المتعلقة بالعقائد وانجر اختلافهم
الى تكفير البعض بعضا وافترقت
الامة افتراقا فاحشا فاردت
اظهار عقائد اهل السنّة
والجماعة فى جزء مراعيا للاختصار
مجتنبًا عن ذكر اقاويلهم الا
بقدر الضرورة راجيا حفظ
عقائد المسلمين من الزيغ والزلل
لعل الله ينفع به عباده
فانه على ما يشاء
قدير وبالاجابة
جدير. وليعلم انى ما
استدل فى هذه الرسالة
بالاحاديث الشريفة و

الحمد للہ وکفیٰ۔ والسلام علیٰ نبیّہ
ورسولہ المصطفیٰ وعلیٰ الہٖ
واصحابہ البررۃ اھل التقی۔
حمد وصلوٰۃ کے بعد عبد ضعیف محمد حسن فاروقی
حنفی گذارش کرتا ہے کہ عہدِ حاضر میں وہابیہ
اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہؤا
ہے عام عقائد میں حتیٰ کہ الٰہیات میں اور مفہوم
رسالت میں اور ان مسائل شرعیہ میں بھی اختلاف
ہے جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اختلاف
اب ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے
جس کی وجہ سے امتِ محمدیہ میں ناگفتہ بہ
تشتت وافتراق پڑ گیا ہے اس لئے میں نے یہ
ارادہ کرلیا ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں
اہل السنّت والجماعۃ کے عقائد مختصر طور پر
بیان کروں۔ اور حتی الوسع مخالفین کے اقوال
نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں مگر بقدرِ
ضرورت نقل بھی کروں گا اور خدا سے امید کرتا
ہوں کہ وہ مسلمانوں کو کجروی اور اغلاط سے محفوظ
رکھے کہ اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ بخشیگا
آئندہ خدا مالک ہے جو چاہے کرے اُسی کی
بارگاہِ عالی میں میری درخواست منظور ہو سکتی
ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً نہ
احادیث شریف سے دلیل پیش کروں گا نہ

١) المتوفى سنة ١٣٤٩ هـ. [١٩٣١ م.]

اقوال الائمة والعلماء الاقلياء
توقيا لساحتهم السنية عن
شر السنتهم الشنيعة فانهم
ان لم يوافق حديث بمعتقداتهم
قالوا هذا ضعيف او موضوع
وان استدل بذلك الحديث
اكابر الامة كالغزالي والسيوطي
وامام الحرمين[1] والشيخ
عبد الحق الدهلوي
والشيخ علي القاري وامثالهم
في كتبهم وان لم يوافق رايهم
قول الائمة واكابر الدين تعرضوا
لقدحهم وسبهم فالى الله المشتكى
فاستمسك غالبا في ترديد
اباطيلهم بالايات القرانية
التي لا ياتيه الباطل من بين
يديه ولا من خلفه تنزيل من
حكيم حميد ومع ذلك اراعي
الانصاف في محل الاختلاف وما
اصر على باطل وسميت الرسالة
(بالعقائد الصحيحة) واقدم ما ذكره العقائد الصحيحة
الامام حجة الاسلام محمد الغزالي
رحمه ربه في باب التوحيد
والالهيات والرسالة

اقوال ائمہ سے اور نہ اقوال علمائے اسلام سے مگر بقدر ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی قابل قدر قیاسات شرعیہ مخالفین کی بدزبانی سے محفوظ رہیں کیوں کہ ان کی عادت ہے کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے یا موضوع ہے اگرچہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو استدلال کے موقعہ پر پیش کیا ہو، چنانچہ جناب امام غزالی امام سیوطی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور محدث ملا علی قاری وغیرہم ایسے استدلال پیش کر چکے ہیں اور مخالفین حسب عادت ائمہ دین اور اکابر اسلام کے ایسے استدلالات جب دیکھتے ہیں تو ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں خدا ہی ان کو سنبھالے۔ اس لئے میں عموماً اس موقعہ پر قرآنی آیات ہی پیش کروں گا جس کی مخالفت ادھر ادھر سے نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ خدائے حکیم وحمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ کروں گا اور قول باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد اس رسالہ کا نام میں نے العقائد الصحیحۃ رکھا ہے۔ اب سب سے پہلے میں وہ مضمون لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں، جو حضرت امام حجۃ الاسلام محمد الغزالی رحمہ اللہ نے توحید اور الٰہیات اور منصب

(١) امام الحرمين عبد الملك النيشابوري الشافعي توفي سنة ٤٧٨ هـ. [١٠٨٥ م.]

بلفظه من کتابه قواعد العقائد
فانه فی غایة الجودة فقال رحمة
الله علیه الحمد لله
المبدئ المعید الفعّال لما
یرید ذی العرش المجید
والبطش الشدید الهادی صفوة
العبید الی المنهج الرشید و
المسلك السدید المنعم علیهم
بعد شهادة التوحید. بحراسة
عقائدهم من ظلمات التشکیك
والتردید. السالك بهم الی
اتباع رسوله المصطفیٰ صلی الله
علیه وسلم واقتفاء اثار
الصحابة الاکرمین المکرمین
بالتائید والتسدید المتجلی
لهم فی ذاته وافعاله
بمحاسن اوصافه التی
لایدرکها الا من القی السمع
وهو شهید المعرف

الصفات الذاتية

ایاهم انه فی ذاته واحدٌ
قدیمٌ لااول له ازلیٌّ
لابدایة له مستمر الوجود
لا اخر له ابدیٌّ لانهایة
له قیوم لا انقطاع له

رسالت کے متعلق اپنی کتاب قواعد العقائد
میں بیان کیا ہے کیوں کہ وہ مضمون اس مقام
کے لئے بہت ہی موزوں ہے۔ آپ لکھتے
ہیں کہ الحمدُ لِلّٰہِ المُبدِیِٔ المُعِیدِ
الفَعَّالِ لِمَا یُرِیدُ ذی العرشِ المَجِیدِ
وَالبَطشِ الشَّدِیدِ الھَادِی صَفوَۃَ
العَبِیدِ الی المَنھَجِ الرَّشِیدِ۔ وَ
المَسلَكِ السَّدِیدِ۔ المُنعِمِ عَلَیھِم
بعد شہادۃ التوحیدِ بِحَرَاسَۃِ
عقَائِدِ ھِمْ مِن ظُلُمَاتِ التَّشکِیكِ
وَالتَّردِیدِ۔ خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ
بندوں کو جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے لئے
انتخاب کرلیا ہوا ہے اور آپ کے صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے
کے لئے چن لیا ہے اپنی تائید اور توفیق سے
خدائے تعالیٰ اپنی ذات اور اپنے افعال میں
اپنے اوصاف حسنہ کے ذریعہ انہی پر جلوہ گر ہے
مگر ان صفات کو وہی دریافت کرسکتا ہے جو
غور سے سنے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھے۔ اس
نے یہ بھی انکو بتادیا ہے کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے
ایسا قدیم ہے جس کی ابتدا نہیں۔ ہمیشہ موجود ہے
جس کی آخری حد نہیں۔ ازل وابد میں موجود ہے
جس کی انتہا نہیں مستقل بالذات ہے کسی قسم

دائم لا انصرام له لم یزل ولا یزال موصوفا بنعوت الجلال لا یقضی علیه بالانقضاء والانفصال بتقدم الاباد وانقراض الاجال بل هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بکل شیٔ علیم۔

(التنزیه) وانه لیس بجسم مصور ولا جوهر محدود ومقدر وانه لا یماثل الاجسام فی التقدیر ولا فی قبول الانقسام وانه لیس بجوهر ولا تحله الجواهر ولا بعرض ولا تحله الاعراض بل لا یماثل موجودا ولا یماثله موجود لیس کمثله شیٔ ولا هو مثل شیٔ وانه لا یحده المقدار ولا تحویه الاقطار ولا یحیط به الجهات ولا تکتنفه الارضون ولا السموات وانه مستو علی العرش علی الوجه الذی قاله

کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم وقائم ہے، جس کا خاتمہ نہیں۔ صفاتِ جلالیہ کے ساتھ ازلی وابدی موجود ہے۔ اس کے متعلق یہ کبھی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا کہ اس کی دائمی زندگی کے اوقات ختم ہو چکے ہیں یا اس کی مدتِ حیات گذر چکی ہے وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا بھی ہے (تقدیسِ الٰہی یوں ہے کہ) خدا کسی جسم اور صورت میں نہیں نہ محدود چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے یا اس کی تقسیم ہو سکے۔ نہ وہ ٹھوس مخلوق ہے نہ غیر مستقل چیز ہے جو دوسرے کے آسرے سے پائی جائے۔ نہ وہ صفاتی چیز ہے نہ صفاتی ناپائدار چیزوں کا مرکز ہے۔ وہ کسی ہستی کی مثل نہیں، نہ کوئی ہستی اس کی مثل ہے بلکہ اس کی مثال کی بھی مثال نہیں اور نہ اس کی مثال کسی چیز کی مثل ہے۔ کوئی مقدار اس کو محدود نہیں کرتی۔ نہ اطراف اس کو اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جہت اسے اپنے احاطہ میں نہیں لا سکتی۔ زمین و آسمان بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش پر قائم ہے مگر اسی طرح جو اس نے خود کہا ہے

وبالمعنى الذى اراده استواءً منزهًا عن المماسة والاستقرار والتمكن والحلول والانتقال لا يحمله العرش بل العرش وحملته محمولون بلطف قدرته ومقهورون فى قبضته وهو فوق العرش والسماء وفوق كل شئ الى تخوم الثرٰى فوقيةً لا تزيده قربًا الى العرش والسماء كما لا تزيده بعدًا عن الارض والثرٰى بل هو رفيع الدرجات عن العرش والسماء كما انه رفيع الدرجات عن الارض والثرٰى وهو مع ذلك قريبٌ من كل موجود وهو اقرب الى العبد من حبل الوريد وهو على كل شئٍ شهيد ولا يماثل قربه قرب الاجسام كما لا يماثل ذاته ذات الاجسام وانه لا يحل فى شئٍ ولا يحل فيه شئٌ تعالٰى عن ان

اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ میں ہے اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب سے الگ ہے۔ اس میں انتقال بھی نہیں۔ عرش اُسے اٹھائے ہوئے بھی نہیں بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں کو اپنے دستِ قدرت سے اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے قبضہ میں مغلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے اور آسمان پر بھی بلکہ تحت الثرٰی تک ہر چیز پر فائق ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے اور نہ زمین اور تحت الثرٰی سے دُور لے جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر مرتبہ رکھتا ہے جس طرح کہ زمین اور تحت الثرٰی سے بالاتر ہے، تاہم وہ ہر چیز کے قریب ہے اور شہ رگ سے زیادہ اپنے بندہ کے قریب ہے اور ہر چیز کا نگران حال بھی ہے کیوں کہ وہ اس طرح قریب نہیں جس طرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کی حقیقت کسی جسمانی حقیقت سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور تبدیل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حل اور تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ اس امر

يحويه مكان كما تقدس
عن ان يحده زمان بل كان
قبل ان خلق الزمان والمكان
وهو الآن على ما عليه
كان وانه بائن من خلقه
بصفاته ليس في ذاته
سواه ولا في سواه ذاته
وانه مقدس عن التغيير
والانتقال لا تحله الحوادث
ولا تعتريه العوارض بل
لا يزال في نعوت جلاله
منزها عن الزوال وفي
صفات كماله مستغنيا
عن زيادة الاستكمال و
انه في ذاته معلوم الوجود
بالعقول مرئي الذات
بالابصار نعمة منه ولطفا
بالابرار في دار القرار واتماما
للنعيم بالنظر الى وجهه الكريم
الحيوة والقدرة وانه تعالى
حيٌّ قادرٌ جبارٌ قاهرٌ لا
يعتريه قصور ولا
عجز ولا تاخذه
سنة ولا نوم

سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے
اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی
بالاتر ہے کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے
بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے
پہلے موجود تھا۔ اور اب بھی اسی طرح موجود
ہے، جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات
میں اپنی مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی ذات
میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود
ہے۔ وہ تغیر و تبدل سے پاک ہے نہ حوادث
اس میں جاگزین ہیں اور نہ صفاتی ناپائدار
حالات اس میں موجود ہیں بلکہ وہ اپنے
جلال میں موجود ہے اور زوال سے پاک
ہے۔ وہ اپنے صفات کاملہ میں موجود ہے
کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف
عقل سے اس کا وجود معلوم ہوسکتا ہے
اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جاسکتی
ہے، جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک
بندوں پر فضل و کرم کی نگاہ کرے گا اور
اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی
تکمیل نعمت کرے گا۔ (خدا کی زندگی اور طاقت
کا بیان یہ ہے کہ) وہ زندہ، طاقتور، صاحب
قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شکستہ دل کا
سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں
اور نہ عاجزی۔ نہ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

ولایعارضه فناءٌ ولاموتٌ
وانّه ذوالملك والملكوت
والعزّة والجبروت له
السلطان والقهر والخلق
والامر والسّموات مطويّات
بيمينه والخلائق مقهورون
في قبضته وانّه المنفرد
بالخلق والاختراع
المتوحّد بالايجاد و
الابداع خلق الخلق
واعمالهم وقدّر ارزاقهم
وآجالهم لايشذّ عن
قدرته مقدورٌ ولا
يعزب عن قدرته
تصاريف الامور لا
تحصى مقدوراته ولا
تتناهى معلوماته العلم
وانّه عالم بجميع
المعلومات محيط
علمه بما يجري
في تخوم الارضين
الى اعلى السّموات
وانّه عالم لايعزب
عن علمه مثقال

اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔
وہ حکومت اور بندوبست کا مالک ہے
عزّت اور غلبہ کا بھی مالک ہے، مخلوق
پر تسلّط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل
سے پیدا کرتا ہے اور وہی کُنْ کہنے سے
پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے
دستِ قدرت کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے
ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ
میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادّہ اور مادہ
کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و
اختراع میں یکتا ہے۔ اس نے ہی اپنی
مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا
کیا ہے۔ اسی لئے اس کی روزی اور
موت کا صحیح انداز لگایا ہے۔ کوئی مخلوق
اس کی قدرت سے خارج نہیں ساری
کائنات کے تصرّفات بھی اس کی
قدرت سے باہر نہیں۔ اسکی قدرتوں
کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ ہی اس
کے معلومات کی کوئی انتہا ہے (خدا
کے علم کا بیان یوں ہے کہ) وہ تمام
اشیاء کا عالم ہے۔ اس کا علم تمام ان
چیزوں پر حاوی ہے، جو زمین کے
کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں
تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اسکے

ذرة فی الارض ولا فی
السماء بل یعلم دبیب النملة
السوداء علی الصخرة الصماء
فی اللیلة الظلماء ویدرک
حرکة الذر فی جو الهواء
ویعلم السر واخفی ویطلع
علی هواجس الضمائر
حرکات الخواطر وخفیات
السرائر بعلم قدیم
ازلی لم یزل موصوفا فی
ازل الازال لا بعلم متجدد
حاصل فی ذاته بالحلول
والانتقال۔ الارادة وانه
تعالیٰ مرید للکائنات
مدبر للحادثات فلا یجری
فی الملکوت قلیل او
کثیر صغیر او کبیر
خیر او شر نفع او ضر
ایمان او کفر عرفان او
نکر فوز او خسران
زیادة او نقصان طاعة
او عصیان الا بقضائه
وقدره وحکمته ومشیئته
فما شاء کان وما لم یشاء

علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی
چیز باہر نہیں، بلکہ ٹھوس پتھر پر جب
چیونٹی سخت اندھیری رات میں دبے پاؤں
چلتی ہے، تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے
اور جو ذرات ہوا میں اڑتے ہیں، ان کی
حرکت کو بھی جانتا ہے۔ وہ راز اور راز سے
پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے، دل کے
خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا
ہے۔ اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھید
کو بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی
ہے، جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اس کی
صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں
جانتا جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی
نکل جائے۔ (اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا بیان
یوں ہے کہ) وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ برتتا
ہے تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے
جو بھی اس کی بادشاہت میں کم و بیش، خورد
وکلاں، دکھ سکھ، نفع و ضرر، ایمان و کفر، خدا
شناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا
نقصان، فرمانبرداری یا بےفرمانی ہوتی ہے
اسی کی قضا و قدر اور حکمت و مشیت
سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے،
وہ موجود ہو جاتا ہے اور جسے نہ
چاہے وہ موجود نہیں ہوتا

لم يكن لا يخرج عن مشيئته
لفتة ناظر او فلتة خاطر بل
هو المبدئ المعيد الفعال
لما يريد لا راد لحكمه ولا معقب
لقضائه ولا مهرب لعبد من
معصيته الا بتوفيقه ورحمته
ولا قوة على طاعته الا بمشيئته
وارادته فلو اجتمع الانس والجن
والملئكة والشياطين على ان
يحركوا في العالم ذرة او يسكنوها
دون ارادته ومشيئته لعجزوا
عن ذلك وان ارادته
قائمة بذاته في جملة صفاته
لم يزل كذلك موصوفا بها
مريدا في ازله لوجود الاشياء
في اوقاتها التي قدرها
فوجدت في اوقاتها كما
اراده في ازله من غير تقدم
ولا تاخر بل وقعت على
وفق علمه وارادته من غير
تبديل ولا تغير دبر الامور
لا بترتيب افكار ولا تربص
زمان فلذلك لم يشغله شان
عن شان. السمع والبصر وانه الصفات الثبوتية

اسکی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں
اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں، بلکہ وہی
نو پیدا کرنے وال اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔
جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے. کوئی
اس کے حکم کو روکنے والا نہیں۔ نہ ہی اسکے
فیصلہ پر کوئی نکتہ چین ہے۔ انسان کو کسی برائی
سے رکنے میں اسکی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں
اور فرمانبرداری میں اسکے ارادہ اور مشیت کے سوا
مجال نہیں. اگر تمام انسان جن، فرشتے اور شیطان
بھی جمع ہو کر سلسلہ کائنات میں ایک ذرہ کو بھی
حرکت دیں یا اسکے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا
چاہیں تو اس سے عاجز ہو جائینگے۔ خدا کا ارادہ
اسکی اپنی ذات میں باقی صفات کیطرح قائم ہے۔
وہ بدستور اس سے موصوف رہا ہے۔ زمانہ ازل
میں اس نے ارادہ کیا کہ سلسلہ مخلوقات اپنے اپنے وقت
پر پیدا ہو جو اس نے تجویز کیا تھا. چنانچہ جسطرح
اس نے زمانہ ازل میں کسی تقدم و تاخر کے بغیر چاہا تھا
اسی طرح کائنات معرض ظہور میں آ گئی بلکہ اسکے علم
کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر و
تبدل کے موجود ہو گئی۔ نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی
ضرورت پڑی نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا۔
یہی وجہ ہے کہ اسے ایک مصروفیت دوسری
مصروفیتوں سے غافل نہیں کرتی۔ (خدا
کی قوت شنوائی اور بینائی کی حقیقت یہ ہے کہ)

تعالیٰ سمیع بصیر یسمع ویری لا یعزب عن سمعه مسموع وان خفی ولا یغیب عن رؤیته مرئی وان دق ولا یحجب سمعه بُعدٌ ولا یدفع رؤیته ظلامٌ یری من غیر حدقة واجفان ویسمع من غیر اصمخة واذان کما یعلم بغیر قلب ویبطش بغیر جارحة ویخلق بغیر آلة اذ لا تشبه صفاته صفات الخلق کما لا تشبه ذاته ذوات الخلق۔

الکلام۔ واللہ تعالیٰ متکلم آمرٌ ناهٍ واعد متوعدٌ بکلامٍ ازلی قدیمٍ قائم بذاته لا یشبه کلام الخلق فلیس بصوت یحدث من انسلال الهواء او اصطکاک اجرام ولا بحرف ینقطع باطباق شفة او تحریک لسان

الكتب المنزلة

وان القرآن والتوراة والانجیل والزبور کتبه المنزلة علی رسله علیهم السلام وان القرآن مقروٌ بالالسنة مکتوب فی المصاحف محفوظ فی القلوب وانه مع ذلک قدیم قائم بذات الله تعالیٰ لا یقبل

وہ خدا سُنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اسکی شنوائی سے کوئی بات باہر نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی مخفی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں اگرچہ کتنی ہی باریک ہو اس کی قوت سماعت کو کوئی دُوری مانع نہیں اور اس کی قوت بینائی کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور پلک کے دیکھتا ہے اور سوراخ گوش اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے بغیر جانتا ہے اور ہاتھ کے بغیر حملہ کرتا ہے اور اوزار کے بغیر پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے نہیں اور نہ ہی اس کی ذات مخلوق کی ذات کی مثل ہے۔ (خدا کا کلام یوں ہے کہ) وہ کلام کرتا ہے، حکم کرتا ہے، روکتا ہے، خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے مگر اسکا کلام ازلی ابدی قدیم ہے، جو اس کی ذات میں قائم ہے اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرانے سے پیدا ہو جو حروف سے مرکب نہیں کہ ہونٹ کی بندش سے ختم ہو جائے اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔ قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں جو کہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں چنانچہ قرآن اگرچہ زبان سے پڑھا جاتا ہے یا اوراق میں لکھا جاتا ہے اور دلوں میں محفوظ ہے تاہم وہ قدیم ہے خدا کی ذات میں قائم ہے

الانفصال ولا الافتراق بالانتقال
الى القلوب ولا الاوراق وان موسى
عليه السلام سمع كلام الله تعالے
بغير صوتٍ ولا حرف كما يرى الابرار
ذات الله تعالى فى الآخرة من غير
جوهر ولا عرض واذكان له هذه
الصفات كان حيًّا عالمًا قادرًا
مريدًا سميعًا بصيرًا متكلمًا بالحيٰوة
والعلم والقدرة والارادة و
السمع والبصر والكلام لا بمجرد
الذات - انتهى كلام الغزالى
رحمه الله تعالى قال المؤلف عفى
الله عنه الصفات السبعة التى
ذكرها الغزالىُ مبنيٌّ على مسلك
الاشعرية[1] من المتكلمين وزاد الما
تريدية[2] صفة ثامنة تسمّى بالتكوين
قالوا لا تكفى فى وجود الخلق الارادة
ولا بد فى وجود الخلق من التكوين
مستدلين بقوله تعالى انما امره
اذا اراد شيئًا ان يقول له كن
فيكون فالارادة أمر والتكوين
المشار اليه بلفظة كن امر آخر
والمريد للامر لا يسمّى فاعلًا له
الا اذا اخرجه من العدم الى الوجود

اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے باوجود
بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔
کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام الٰہی سنا
تھا، اس میں آواز نہ تھی اور نہ حروف تھے۔ اسی
طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائینگے
مگر وہ نہ ٹھوس ہوگا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو
ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حی۔ عالم
قادر۔ مرید۔ سمیع۔ بصیر اور متکلم ہے اور اسمیں یہ
سات صفات موجود ہیں۔ حیوۃ، علم، قدرۃ، ارادہ
سمع، بصر اور کلام۔ اور اسکی ذات اپنی صفات سے
خالی نہیں (امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام یہاں پر ختم
ہو چکا ہے) اب مؤلف کہتا ہے (خدا اس کے گناہ
معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات
اوصاف بیان کئے ہیں وہ مذہب اشعری کے
مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں
اور بھی خدا کا وصف ہے جسے تکوین کہتے ہیں کیونکہ
مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی
نہیں کچھ تکوین کی بھی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالے
نے خود فرمایا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا
ہوں تو اُسے کُن کہتا ہوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی
ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور
تکوین جو لفظ کُن سے اشارۃً سمجھی جاتی ہے اور
چیز ہے۔ اسکے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل
نہیں کہلاتا سوائے اسکے کہ اسکو ہست سے نیست کرے

(۱) ابو الحسن علي الاشعري توفى سنة ۳۳۰ هـ. [۹۴۲ م.] فى بغداد

(۲) ابو منصور محمد الماتريدى توفى سنة ۳۳۳ هـ. [۹۴۵ م.] فى سمرقند

فلفظة كن منه سبحانه وتعالى
امر باخراج ما اراده من القوة
الى الفعل ومحل بسط هذا
المبحث كتب علم الكلام كشرح
العقائد وشرح المواقف رجعنا
الى كلام حجة الاسلام فقال الافعال
وانه سبحانه وتعالى لا موجود سواه
الا وهو حادث بفعله وفائض
من عدله على احسن الوجوه واكملها
واتمها واعدلها وانه حكيم فى
افعاله وعادل فى اقضيته ولا يقاس
عدله بعدل العباد اذ العبد يتصور
منه الظلم بتصرفه فى ملك غيره
ولا يتصور الظلم من الله تعالى
فانه لا يصادف لغيره ملكا حتى يكون
تصرفه فيه ظلما فكل ما سواه من
انس وجن وشيطان وملك وسماء
وارض وحيوان ونبات وجوهر
وعرض ومدرك ومحسوس حادث
اخترعه بقدرته بعد العدم
اختراعا وانشاءة بعد ان لم يكن
شيئا اذ كان فى الازل موجودا
وحده ولم يكن معه غيره فاحدث
الخلق بعد اظهار القدرته

پس لفظ کُن خدائے تعالیٰ کا امر ہے اسکو جس کا
وہ ارادہ کرتا ہے کہ نیست سے ہست کر دے۔ اس
مسئلہ کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتابیں ہیں مثلاً
شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ
امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔ آپ
فرماتے ہیں کہ (افعال خداوندی کی حقیقت یوں
ہے کہ) جو بھی اللہ کے بغیر ہے وہ اُسی کے فعل سے
پیدا ہُوا ہے اور بہترین عدل کے طریق پر اور اکمل
واکمل طرز پر صورت نما ہُوا ہے۔ خدا اپنے افعال
میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا
ہے۔ مگر اسکا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں
کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے جبکہ وہ
غیر کے ملکیت پر متصرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی
نہیں کیونکہ جبکہ یہاں غیر کی ملکیت ہی نہیں تو یہ کیسے کہا
جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرف کرتا ہے تاکہ اسکا
عمل ظلم قرار پائے کیوں کہ اس نے یہ تمام چیزیں خود
پیدا کی ہیں۔ انسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان،
زمین، حیوان، نباتات، جوہر، عرض، مدرک بالحس
اور مدرک بالعقل وغیرہ۔ چنانچہ اس نے اپنی قدرت
کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو وجود عطا کیا
ہے بعد اس کے کہ وہ نیست تھیں اور وہ خدا خود
زمانہ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی
غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی اظہار
قدرت کے لئے کائنات کو پیدا کیا

وتحقيقاً لما سبق من ارادته وحق
فی الازل من کلمته لا لافتقاره اليه
وحاجته والله تعالى متفضل بالخلق
والاختراع والتكليف لا عن وجوب
ومتطول بالانعام والاصلاح لا
عن لزوم له الفضل والاحسان
والنعمة والامتنان اذ كان قادراً
على ان يصب على عباده انواع
العذاب ويبتليهم بضروب
الآلام والاوصاب ولو فعل
ذلك لكان منه عدلاً ولم يكن قبيحاً
ولا ظلماً والله يثيب عباده على
الطاعات بحكم الكرم والوعد
لا بحكم الاستحقاق واللزوم
اذ لا يجب عليه فعل ولا يتصور
منه ظلم ولا يجب لاحد عليه
حق وان حقه في الطاعات واجب
على الخلق بايجابه على لسان انبيائه
لا بمجرد العقل ولكنه بعث الرسل
واظهر صدقهم بالمعجزات الظاهرة
فبلغوا امره ونهيه ووعده
ووعيده فوجب على الخلق
تصديقهم فيما جاؤا به معنى
الكلمة الثانية وهي رسالة الرسول

اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا جو اس
نے پہلے کیا ہوا تھا اور اس قول کو پیدا کرنے
کے لئے جو ازل میں کہہ چکا تھا ورنہ اسکو کائنات
کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اس کی
مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیست سے ہست
کیا اور صاحب اختیار بنایا ورنہ یہ سب کچھ اسپر
واجب نہ تھا اور وہ ہمپر فضل کرنیوالا ہے کہ اس نے
ہمپر احسان کیا اور ہماری اصلاح کی حالانکہ یہ بھی
اس کا فرض نہ تھا پس یہ سب کچھ اسکا فضل ہے احسان
اور نعمت اور انعام ہے کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے
کہ اپنے بندوں پر قسم قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ رنگ کے
مصائب میں گرفتار کرے اگر یہی کرے تو پھر بھی اسکا عدل
ہی ہوگا اور اس کیلئے کوئی معیوب کام نہ تھا اور نہ ہوگا
خدا اپنے حسب وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں کو اپنی اطاعت
قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے ورنہ بندوں کا کوئی اس کے
ذمہ نہیں اور نہ ہی انکا کوئی فرض اسپر عائد ہوتا ہے کیونکہ
اسپر کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے
ظلم متصور ہو سکتا ہے اور کسی کا حق اسکے ذمہ پر واجب نہیں
مگر مخلوق پر اسکا حق اطاعت واجب ہے جو اس نے اپنے انبیاء کے
ذریعے بیان کیا ہے۔ اور وہ حق اطاعت صرف عقل سے ثابت
نہیں ہوتا تھا اسلئے اسنے اپنے رسول بھیجے اور کھلم کھلا
معجزات سے انکی صداقت کا اظہار فرمایا تو پھر انہوں نے خدا کا امر
نہی، وعدہ اور وعید کی خبر دی۔ اس لئے مخلوق پر واجب
ہوگیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں اسکی تصدیق کریں (اب کلمہ ثانیہ

صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وان اللہ تعالیٰ
محمد علیہ السلام | بعث النبی الامی القرشی محمداً
صلی اللہ علیہ وسلم برسالتہ
الی کافۃ العرب والعجم والجن
والانس فنسخ بشرعہ الشرائع
الا ما قررہ وفضلہ علی سائر
الانبیاء وجعلہ سید البشر و
منع کمال الایمان بشہادۃ
التوحید وھو قول لا الہ الا اللہ
ما لم تقترن بہ شہادۃ الرسول
وھو محمد رسول اللہ فالزم الخلق
تصدیقہ فی جمیع ما اخبر بہ
من الدنیا والآخرۃ وانہ لا یقبل
ایمان عبد حتی یوقن بما اخبر عنہ
منکر نکیر | بعد الموت واولہ سوال منکر ونکیر
وھما شخصان مہیبان ہائلان
یقعدان العبد فی قبرہ سویاً ذا
روح وجسد فیسئلانہ عن التوحید
والرسالۃ ویقولان لہ من ربک و
ما دینک ومن نبیک وھما فتانا
القبر وسوالہما اول فتنۃ القبر
بعد الموت وان یؤمن بعذاب
القبر وانہ حق وحکمۃ وعدل علی
الجسم والروح علی ما یشاء ویؤمن

رسالت کا بیان یوں ہے کہ، خدا ہی نے اپنا
نبی اُمّی قرشی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و
سلّم تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر مبعوث
کیا ہے خواہ عرب ہوں یا عجم یا جنّ ہوں یا انسان۔
سوائے چند اصولی احکام کے تمام شرائع سابقہ
کے احکام کو منسوخ کر دیا اور تمام انبیاء
علیہم السلام پر آپ کو فضیلت بخشی۔ آپ کو
سید البشر بنایا اور جبتک محمدؐ رسول اللہ کا اقرار نہ
ہو، اقرار توحید یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے سے روک دیا
اور مخلوق پر آپ کی تصدیق فرض کر دی۔ ان احکام
کے متعلق جو آپ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان
کئے ہیں اور یہ بھی فرض کیا کہ کسی کا ایمان معتبر
نہیں جب تک وہ باتیں نہ مانے۔ جن کی خبر آپ نے
انسان کی موت کے بعد دی ہیں جن میں سے اوّل
منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے با ہیبت خوفناک
ہیں، جو مُردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں جس
میں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید
اور رسالت نبوی کا سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب
کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون
ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں کیونکہ
موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات
ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذاب قبر کو تسلیم
کرے کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل ہے جسم اور
روح پر جس طرح کہ خدا چاہے۔ یہ بھی مانے کہ

بالميزان ذى الكفتين واللسان
وصفته فى العظم انه مثل طباق
السموات والارضين توزن فيه — وزن الاعمال
الاعمال بقدرة الله تعالى والصنج[1]
يومئذ مثاقيل الذر والخردل
تحقيقا لتمام العدل وتطرح صحائف
الحسنات فى صورة حسنة فى كفة
النور فيثقل بها الميزان على قدر
درجاتها عند الله بفضل الله
تعالى و تطرح صحائف السيئات
فى كفة الظلمة فيخف بها الميزان
بعدل الله تعالى وان يؤمن بان
الصراط حق وهو جسر ممدود على — جسر الصراط
متن جهنم احد من السيف وادق
من الشعر تزل عليه اقدام الكفرين
بحكم الله تعالى فهوى بهم الى النار
و تثبت عليه اقدام المؤمنين فيساقون
الى دار القرار ويؤمن بالحوض
المورود وحوض محمد صلى الله عليه
وسلم يشرب منه المؤمنون قبل
دخول الجنة وبعد جواز الصراط من
شرب منه شربة لايظماء بعدها
ابدا عرضه السماء فيه ميزابان
يصبان من الكوثر و يؤمن بيوم الحساب

میزان عمل کے دو پلڑے ہیں اور ایک قبضہ کی رسی ہے
اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے کہ وہ زمین و آسمان
کی وسعت کے برابر بڑی ہے. اس میں قدرت الٰہیہ
سے اعمال تولے جائیں گے اور اس کے بٹے چیونٹی
اور رائی کے دانے کے برابر بھی ہونگے تاکہ پورا پورا
انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پلہ میں نیک اعمال
کے صحیفے ڈالے جائیں گے جن سے وہ ترازو بوجھل
معلوم ہوگا۔ انکے نیک اعمال کے درجہ کے مطابق
خدا کے فضل و کرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلڑے
میں بداعمالیوں کے صحیفے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا
کے عدل و انصاف سے ہلکا ہوجائے گا۔ مؤمن یہ بھی
مانے کہ پل صراط حق ہے اور جہنم کی پشت پر یہ ایک
لمبا پل بچھایا جائے گا جو تلوار سے تیز ہوگا اور بال سے باریک
اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے اور خدا
کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے. مومنین کے
قدم اس پر ٹک جائیں گے تو جنت کو بجائے
جائیں گے۔ یہ بھی مانے کہ حوض کوثر حق ہے
جس پر لوگ آئیں گے اور حضور علیہ السلام
کے حوض محمدی سے دخول جنت سے پہلے
مؤمنین پانی پئیں گے اور پل صراط سے گذر کر
بھی اس کا پانی پئیں گے. اور جو شخص اس کا
ایک گھونٹ بھی پی لیگا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس
کی وسعت آسمان کے برابر ہے اسمیں دو نالیاں حوض کوثر
سے نکل کر کھلتی ہیں۔ مومن یہ بھی مانے کہ حساب کا دن حق

[1] صنج پاسنگ ترازو۔

وتفاوت الخلق فيه الى مناقش
في الحساب والى مسامح فيه والى
من يدخل الجنة بغير حساب
وهم المقربون فيسئل الله من
شاء من الانبياء عن تبليغ الرسالة
ومن شاء من الكفار عن تكذيب
المرسلين ويسأل المبتدعين
عن السنة ويسأل المسلمين
عن الاعمال ويؤمن باخراج الموحدين
من النار بعد الانتقام حتى لا يبقى
في جهنم موحدٌ بفضل الله تعالى
ويؤمن بشفاعة الانبياء ثم العلماء
ثم الشهداء ثم سائر المؤمنين
كلٌ على حسب جاهه ومنزلته و
من بقي من المؤمنين ولم يكن له شفيع
اخرج بفضل الله تعالى ولا يخلد
في النار مؤمن بل يخرج منها من
كان في قلبه مثقال ذرة من

فضل الصحابة

الايمان وان يعتقد فضل الصحابة
وترتيبهم وان افضل الناس
بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم
ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي
رضي الله عنهم وان يحسن الظن
بجميع الصحابة وان يثني عليهم

ہے، جس میں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔
کسی سے خوب باز پرس ہوگی اور کسی سے چشم پوشی
کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخل
جنت ہوں گے اور یہ لوگ خدا کے مقرب ہوں گے
خدا کا منشاء ہوگا تو انبیاء علیہم السلام سے بھی
سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی؟ جی چاہیگا تو کفار
اور مکذبین سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول
کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالف سنت سے سوال
ہوگا کہ تم نے سنت طریق کو کیوں چھوڑا اور اہل اسلام
سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا اور مومن یہ بھی مانے کہ
اہل توحید جہنم سے بدلہ پاکر آخر نجات پائیں گے یہاں تک
کہ خدا کے فضل و کرم سے وہاں کوئی اہل توحید نہ رہیگا
یہ بھی مانے کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کرینگے۔ انکے
بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب آخر باقی اہل اسلام
اپنی اپنی قدر و منزلت کے مطابق شفاعت کریں گے
اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہیگا اور اسکا
کوئی شفیع نہ ہوگا تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا
جائیگا اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہیگا بلکہ
جسکے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ بھی جہنم سے
نکال دیا جائے گا۔ یہ بھی مانے کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق
ہے اور ان میں ترتیب وار فضیلت یوں ہے کہ حضور علیہ السلام
کے بعد افضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں
پھر حضرت فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی رضی
اللہ عنہم یہ بھی ضروری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھے

كما اثنى الله تعالى ورسوله
صلى الله عليه وسلم وعليهم اجمعين
فكل ذلك مما وردت به السنة
وشهدت به الآثار فمن اعتقد
جميع ذلك موقنا به كان من
اهل الحق وعصابة السنة و
فارق رهط الضلال والبدعة
فنسأل الله تعالى كمال اليقين
والثبات فى الدين لنا ولكافة
المسلمين انه ارحم الراحمين
وصلى الله على سيدنا محمد واله
وصحبه اجمعين. انتهى ما اردنا
نقله من كتاب (قواعد العقائد)
للامام حجة الاسلام رحمة الله عليه
قال المؤلف عفى الله عنه بسم الله
الرحمن الرحيم وبه نستعين
اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا
اتباعه وارنا الباطل باطلا و
ارزقنا اجتنابه اما بعد

العقائد الصحيحة

فقد اختلفت الامة فى العقائد
اختلافا كثيرا وتفرقت آراءهم
ووقع بينهم التنافر والتباغض
وادعت كل طائفة انها على
الحق وما سواها على الباطل كيف

اور جس طرح اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام نے
ان کی تعریف و توصیف کی ہے یہ بھی ان کی
تعریف کرے۔ ان تمام عقائد کے متعلق شاہد احادیث
نبوی وارد ہیں اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم مشابہ ہیں
جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے وہ اہل حق
اور اہل سنت ہو گا۔ اور اہل بدعت اور گمراہ
فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا۔ ہم سب کا فرض
ہے کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال
کی درخواست کریں اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے
لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے وصلی اللہ
علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین
یہاں تک جو ہمیں امام صاحب کی کتاب قواعد
العقائد سے نقل کرنا تھا نقل کر دیا ہے۔ اب
مؤلف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع
کرتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین
یا اللہ ہمیں جو حق بات ہے وہ سچ مچ دکھا
دے اور باطل کو واقعی طور پر باطل دکھا
اور ہمیں اس سے کنارہ کشی نصیب کر۔
اس کے بعد واضح ہو کہ آج اس امت محمدیہ میں

اختلاف الامة

عقائد کا اختلاف بہت ہے اور ان کی رائیں
مختلف ہیں اور ان میں باہمی نفرت پیدا ہو چکی
ہے۔ اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر ایک فرقہ کا
یہی دعویٰ ہے کہ میں ہی حق پر ہوں اور دوسرے
باطل پر ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور

فرق اهل البدعة ۷۲ فرقة

لا وقد اخبرنا بهذه الحالة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث قال ستفترق امتي على ثلاث وسبعين فرقة الحديث وقد ذكرت هذا الحديث بماله وما عليه في اخر كتابي المسمى (بالاصول الاربعة في ترديد الوهابية) بالفارسية وها انا اذكره ههنا اتماما للفائدة۔ عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليأتين على امتي ما اتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل حتى ان كان منهم من اتى امه علانية لكان في امتي من يصنع ذلك و ان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفرق امتي على ثلاث و سبعين ملة كلهم في النار الا ملة واحدة قالوا من هي يا رسول الله قال ما انا عليه واصحابي رواه الترمذي

علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی خبر دی ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں پر تقسیم ہو جائے گی۔۔۔۔۔ اور یہ حدیث پورے سوال و جواب کے ساتھ میں نے اپنی کتاب فارسی الاصول الاربعۃ فی تردید الوہابیۃ کے اخیر نقل کر دی ہوئی ہے۔ مگر تاہم تکمیل فائدہ کے لئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت پر وہ انقلاب آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آیا تھا ہو بہو، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے بدفعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، جو ایسا کر گذریں گے امت بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہو گئی تھی اور میری امت ۷۳ ملت پر تقسیم ہوگی اور وہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے مگر ایک فرقہ بچ رہے گا۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول صلعم وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جو ان اصولوں پر قائم ہوگا کہ جن پر میں اور میرے صحابہ رض قائم ہیں۔ (رواہ الترمذی)

وفي رواية احمد وابي داؤد عن
معاوية ثنتان وسبعون في ۷۲ فرقة
النار وواحدة في الجنة وهي
الجماعة وانه سيخرج في امتي
اقوام تتجارى بهم تلك الاهوآ
كما تتجارى الكلب بصاحبه لا
يبقى عنه عرق ولا مفصل الا
دخلته فان قيل هل الفرق
التي ذكرت في الحديث من اهل
الدعوة او من اهل الاجابة
نقول بل هي من اهل الاجابة
لانهم ذكروا بلفظ امتي مكررا
واما اهل الدعوة الذين ما
امنوا بالله ورسوله فلا
يدخلون في امته صلى الله
عليه وسلم وههنا سوال أخر
اصعب منه الا وتقريره ان
كل طائفة من الطوائف الثلث
والسبعين تدعي وتزعم انها
هي الطائفة الناجية وانها هي
مصداق ما انا عليه واصحابي
فمن ذا الذي يحل هذه العقدة
بالامانة فاضطربت أهل
السنة والجماعة لجماعت

امام احمد اور ابوداؤد حضرت معاویہؓ سے روایت
کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے اور
ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام
جماعت ہے۔ میری امت میں ایسی قومیں بھی
پیدا ہونگی کہ جن کو یہ نو پیدا خیالات اسطرح اُڑائیں
گے جس طرح کہ دیوانہ کتے کی زہر دوڑاتی ہے باؤلے
کتے کے کاٹے ہوئے کا کوئی رگ و ریشہ نہیں تا
کہ جس میں اسکی زہر کا دخل نہ ہو۔ اب اگر یہ سوال کیا
جائے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں
وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے
دعویدار رہوں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب
اسلام کے دعویدار ہونگے کیونکہ حضور علیہ السلام نے
ان کو امت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے مگر جو
لوگ نیا مذہب پیش کرینگے یہ وہ ہونگے جو خدا و رسول
کو نہیں مانینگے، اسلئے وہ امت محمدیہ میں داخل نہیں
(پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام
اہل دعوت) اس مقام پر ایک اور مشکل سوال پیدا
ہوتا ہے کہ ۷۳ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی
دعویٰ ہے کہ ہم نجات پانے والی (فرقہ ناجیہ) جماعت
ہیں اور ہم ہی ما انا علیہ واصحابی
کی صحیح مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقدہ
ایمان داری سے حل کر سکتا ہے؟ اس لئے
اس کے جواب میں اہل السنت والجماعت
بے چین ہوئے اور بارگاہِ الٰہی میں

الی حضرۃ اللہ تعالیٰ فوجدنا
قولہ تعالیٰ فلا و ربك لا یؤمنون
حتی یحکموك فیما شجر بینہم فحکمنا
صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذہ
الفیصلۃ المعضلۃ فوجدنا بحمدہ
تعالیٰ فی ذلك الحدیث قولہ صلی
اللہ علیہ وسلم وھی الجماعۃ ومعلوم
ان لفظۃ الجماعۃ جزء من اسم
اھل السنۃ والجماعۃ فی روایۃ ابی
داؤد واحمد والمراد من الجماعۃ کثرۃ
الافراد وکثرۃ افراد اھل السنۃ
والجماعۃ المقلدین للمذاھب الاربعۃ
شرقا وغربا من الفرق الضالۃ
بدیھی لا یحتاج الی دلیل سوال
اخر قال بعض اھل الضلال المراد
من الجماعۃ فی الحدیث من کان علی
الحق وان قلت افرادہ قلنا لیس
الامر کما زعموا لان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال فی حدیث اخر
عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ
محمد علی ضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ
ومن شذ شذ فی النار رواہ الترمذی

اھل السنۃ و الجماعۃ

گڑگڑائے تو ان کو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی
کہ بخدا وہ لوگ مومن شمار نہ ہونگے یہانتک کہ
وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپکو حکم نہ مانیں گے
اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
لاینحل سوال میں اپنا حکم مان لیا اور فیصلہ ہو گیا
کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام کا یہ لفظ مبارک
موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور سب کو
معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہل سنت والجماعت
کے نام کا اصلی جزو ہے جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد
کی روایت میں ہے اور جماعت سے مراد ہمیشہ
کثرت افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت
والجماعت ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے شرق و غرب
میں مقلد ہیں اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ
پر ایسی روشن ہے جس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں
(سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث
میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اسی سے مراد اہل
حق ہیں اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو ہم جواباً کہتے
ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جسے حضرت
ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے فرمایا ہے
کہ خدا تعالیٰ میری امت کو یا بالفاظ دیگر امت محمدیہ
کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا اور جماعت پر خدا کا
ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ
ہوگا۔ وہ دوزخ میں پھینکا جائیگا (رواہ الترمذی)

امة محمد لا تجتمع على الضلالة

وعن ابی بصرة قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم سألت ربی ان
لا تجتمع امتی علی ضلالة فاعطانیها
رواه الطبرانی وعن ابن عباس
رضی الله عنهما قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم من فارق الجماعة
فمات مات میتة جاهلیة رواه
البخاری۔ فان قیل وان ذکر فی
هذه الاحادیث لفظ الاجماع
ولفظة الجماعة لکنه لم یصرح بان
المراد من الجماعة کثرة الافراد نقول
عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم اتبعوا
السواد الاعظم فانه من شذ
شذ فی النار رواه ابن ماجه وعن
معاذ بن جبل قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم ان الشیطان
ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ
الشاة القاصیة والناحیة وایاکم
والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة
رواه احمد وعن ابی هریرة رضی الله
عنه قال قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا
فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه

ابو بصرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا
ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری
امت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش
دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ
عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مر جائے
تو بے دینی کی موت مریگا۔ (رواہ البخاری) اگر
یہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت
یا لفظ اجماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں
تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں
تو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن
عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد
جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہوگا، داخل
جہنم ہوگا (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے
بھیڑیا ہے جسطرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیا ہوتا
ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ
سے الگ پھرتی ہے یا کنارہ کرتی ہے تم ایسی کنارہ
کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تھام
رکھو (رواہ احمد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی
کریم نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ
ہوگا یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا

رواه احمد وابو داؤد مشكوة شريف
فحمل السواد الاعظم ولفظة العامة
تصريح بكثرة الافراد وكثرة افراد
أهل السنة والجماعة بالنسبة الى
جميع طوائف الضلال امر بديهي
معلوم بالضرورة فثبت ان الفرقة

الفرقة الناجية

الناجية هي أهل السنة والجماعة
المقلدين للمذاهب الاربعة المشهورة
والحمد لله على ذلك اذا علمت هذا

المجاز و الحقيقة

فاعلم ان المجاز والحقيقة مستعملان
في جميع لغات العرب والعجم
شقيها وسعيدها حتى في كلام
الله تعالى الملك العلام ولنقتصر
في هذا المقام بذكر بعض آيات
القرآن الحكيم قال الله تعالى الله
يتوفى الانفس حين موتها وقال
تعالى قل يتوفاكم ملك الموت
الذي وكل بكم فالاول حقيقة
والثاني مجاز قال الله تعالى يهب
لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء
الذكور وقال تعالى حكاية عن
جبرئيل عليه السلام لاهب لك
غلاما زكيا فالاول حقيقة و
الثاني مجاز قال الله تعالى قل

(رواہ احمد وابو داود) یہ حدیث مشکوۃ شریف میں بھی ہے۔ بہرحال السواد الاعظم یا العامۃ لفظ کثرت افراد کی تصریح کر رہا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجیہ سے مراد اہل سنت والجماعۃ ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے مقلد ہیں (والحمد للہ علی ذلک) ان معلومات کے بعد واضح رہے کہ عرب وعجم کی تمام زبانوں میں حقیقۃ و مجاز کا استعمال موجود ہے خواہ وہ اچھی ہوں یا بری یہانتک کہ خود کلام الٰہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں چنانچہ ہم چند آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں (اوّل) یہ کہ خدا موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے پھر فرمایا کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ پس توفی کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور فرشتے سے مجازی۔ (دوم) خدا جسے چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول یوں منقول ہے کہ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یوں کہا تھا کہ میں اس لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں۔ خدا کا ہبہ حقیقی ہے اور جبریل ؑ کا مجازی۔ (سوم) اے میرے بندو!

یاعبادی الذین اسرفوا وان عبادی
لیس لک علیہم سلطان وقال تعالیٰ
من عبادکم واماٰئکم فالاول حقیقۃ
والثالث مجاز قال اللہ تعالیٰ ھو
یحیی و یمیت وقال تعالیٰ حکایۃ عن
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام واحی الموتی
باذن اللہ فالاول حقیقۃ والثانی مجاز
قال اللہ تعالیٰ واللہ یھدی من یشاء
الی صراط مستقیم وقال تعالیٰ وانک
لتھدی الی صراط مستقیم فالاول
حقیقۃ والثانی مجاز قال اللہ تعالےٰ
یدبر الامر وقال تعالیٰ فالمدبرات امراً
فالاول حقیقۃ والثانی مجاز قال اللہ
تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض
الغیب الا اللہ وقال تعالیٰ حکایۃ عن سیدنا
عیسیٰ علیہ السلام وانبئکم بما تاکلون
وما تدخرون فی بیوتکم وقال اللہ
تعالیٰ حکایۃ عن سیدنا یوسف علیہ السلام
لا یاتیکما طعام ترزقانہ الا نبأتکما
بتاویلہ قبل ان یاتیکما فالاول حقیقۃ
والثانی مجازاً قال اللہ تعالیٰ عن سیدنا
ابراھیم واذا مرضت فھو یشفین و
قال تعالےٰ حکایۃ عن
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے رحمتِ الٰہی سے ناامید نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہا کہ میرے بندوں پر تیرا تسلط نہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے بندوں اور کنیزوں کے نکاح کر دیا کرو۔ بس پہلی دو آیتوں میں عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں لوگوں سے تعلق مجازی ہے (چہارم) خدا ہی موت حیات دیتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں نقل کیا ہے کہ میں بفضلِ خدا مُردے زندہ کرتا ہوں۔ تو زندگی دینے کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے مجازی (پنجم) خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ راہِ راست دکھاتے ہیں مگر الٰہی ہدایت حقیقی ہے اور ہدایت نبوی مجازی ہے (ششم) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے پھر فرمایا کہ قسم ہے انکی جو تدبیر کرنیوالے ہیں پہلی آیت میں حقیقت ہے دوسری میں مجاز (ہفتم) کہو! جو لوگ یا فرشتے آسمان و زمین میں ہیں انمیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا لیکن اللہ غیب جانتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کا حال یوں بتایا کہ آپ کہتے تھے کہ میں تمکو سب کچھ بتاؤنگا۔ جو تم کھاتے ہو یا جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا کہ آپ دو قیدیوں سے یوں کہتے تھے کہ نہیں آئیگی تمہاری خوراک جو تمہیں دیجاتی ہے مگر میں اسکے آنے سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تعبیر کردونگا پہلی آیت میں حقیقۃ دوسری دو آیتوں میں مجاز ہے (ہشتم) حضرت ابراہیمؑ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کہتے تھے

والاکمہ والابرص واُحی الموتیٰ باذن	کہ میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا
الله فالاول حقیقة والثانی	ہوں اور خدا کے فضل سے مُردے بھی زندہ کرلیتا
مجاز قال الله تعالیٰ وھو	ہوں پس پہلی آیت میں حقیقة ہے دوسری میں
الخلاق العلیم وقال تعالےٰ	مجاز (نہم)، فرمایا کہ خدا ہی پیدا کرنے والا اور خوب
حکایة عن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام	جاننے والا ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول
انی اخلق لکم من الطین کھیئة	بیان کیا کہ میں مٹی سے پرندوں کی وضع وشکل
الطیر فیکون طیرا باذن الله	بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا
فالاول حقیقة والثانی مجاز	کے فضل سے پرندے بن جاتے ہیں. یہاں بھی پہلے
قال الله تعالیٰ ان الله	حقیقة ہے پھر مجاز ہے (دہم)، فرمایا کہ وہی خدا ایک
ھو الرزاق ذو القوة	کا رازق ہے اور زبردست طاقت کا مالک ہے پھر
المتین وقال تعالیٰ واذا حضر	فرمایا کہ جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار،
القسمة اولوا القربیٰ والیتمیٰ و	یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق
المساکین فارزقوھم منہ فالاول	دو. یہاں بھی پہلے حقیقة ہے پھر مجاز ہے (یازدہم)
حقیقة والثانی مجاز قال الله تعالیٰ	فرمایا کہ خدا ہی سمیع وبصیر ہے. پھر فرمایا کہ ہم نے
ان الله ھو السمیع البصیر وقال	انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اس کو دنیا کے
تعالیٰ انا خلقنا الانسان من نطفة	ابتلا میں ڈالیں اس لئے اسے سمیع وبصیر بنا دیا پہلا
امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعا بصیرا	سمیع وبصیر حقیقة ہے دوسرا مجاز. الغرض اس قسم
فالاول حقیقة والثانی مجاز الی	کی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ بہت ہیں پس جب
غیر ذلک من الآیٰت القرآنیة والاحادیث	حقیقت ومجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود
النبویة فاذا کان المجاز مستعملا فی	ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کرلیں اپنے
کلام الله تعالیٰ علی العموم فان استعملہ	محاورات میں تو کون سی قباحت ہوگی
عبادہ فی بعض محاوراتھم فای قباحة	بہرحال اس اصول پر کئی ایک
فیہ ویبنی علی ھذا الاصل مسائل	مسائل کی بنیاد قائم ہے. جو
کثیرة التی ھی معرکة الآراء بین المقلدین	مذاہب اربعہ کے مقلدین اور

للمذاهب الاربعة وبين غير
المقلدين للمذاهب ومن
نحى نحوهم فمن تلك المسائل

علم الغيب

مسئلة علم الغيب للنبي صلى
الله عليه وسلم او لبعض خواص
امته فاذا جاز ان يخبر سيدنا
عيسى عليه السلام بما ياكلون
وما يدخرون امته في بيوتهم
فلم لا يجوز ان يخبرنا سيدنا
رسول الله صلى الله عليه وسلم
او بعض خواص امته ببعض المغيبات
او الامور الاتية في الدنيا و
البرزخ فان قيل ان ذلك كان
معجزة لسيدنا عيسى عليه السلام؟
قلنا لم لا يجوز ان تكون هذه
الامور معجزة لسيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم وكرامة لخواص
امته فان قيل كان ذلك باعلام الله
تعالى اياه قلنا كذلك كان هذا
باعلام الله تعالى اياه وليعلم ان
مسئلة علم الغيب من اكبر المسائل
المتنازعة بين علماء الوقت ووقع
الطرفان في الافراط والتفريط و
تشاجروا بينهم اشد المشاجرات و

وہابیوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ
کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان
جو ان کے طریق پر چلتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک

المسئلة

علم غیب کا مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور خاصان امت محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں؟ پس
جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے اور گھروں کے ذخیرہ
کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہوگا کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کے خاص
خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دیں
یا دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات
بتائیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی
کیوں معجزہ نہیں ہوسکتی اور خواص امت کے
لئے کرامت کیوں نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ سوال ہو
کہ حضرت عیسے علیہ السلام کو تو خود خدا بتادیتا
تھا، تو ہم کہیں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی تو خدا بتادیتا تھا۔ اب واضح
رہے کہ مسئلہ علم غیب ایک عظیم الشان
زیر بحث مسئلہ ہے، جس پر علمائے وقت
جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور فریقین افراط و
تفریط میں پڑگئے ہیں۔ جس کی وجہ سے
ان کے درمیان سخت اختلاف رونما
ہوچکا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے

كفر بعضهم بعضا فقوم اثبتوا
علم الغيب الكلي والجزئي وما كان
وما يكون للنبي صلى الله عليه وسلم
باعلام الله تعالى اياه وقوم نفوا
العلم الكلي راسا عنه صلى الله
عليه وسلم وقالوا ان علم الغيب الكلي
لا يكون الا لله تعالى واما الجزئي
فكما يكون للرسول كذلك يكون
للمجانين والبهائم عياذا بالله تعالى
عن هذه العقيدة المفصحة عن
توهين الرسول صلى الله عليه و
سلم المفضية الى سوء الخاتمة وقوم
اثبتوا للنبي صلى الله عليه وسلم
جميع علوم الغيب التي تتعلق بالنبوة
من[1] الامم السالفة واحوال البرزخ
واحوال القيمة ونعم الجنة و
عذاب النار وبعض علوم العالم
العلوي والسفلي باعلام الله
تعالى اياه وهذه العقيدة
هي المتوسطة بين الافراط
والتفريط واقرب للتقوى
وليت شعري اي جواب للمثبتين
جميع علوم الغيب الكلي والجزئي وما كان
وما يكون للنبي صلى الله عليه وسلم في العلوم

کو کافر بھی کہہ چکے ہیں ۔ کیوں کہ ایک فرقے
نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم
غیب کلی اور غیب جزئی اور غیب ماضی
و مستقبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالٰے نے
آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا ۔ ایک
فرقے نے سرے سے علم کلی ہی کی نفی کر دی ہے کہ وہ
حضور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا کیونکہ علم غیب کلی اللہ تعالٰے
کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا ۔ اور غیب جزئی تو کوئی بڑی
بات نہیں کیونکہ وہ جس طرح رسول کو حاصل ہے ۔ اسی طرح
دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے (خدا ایسے عقیدے سے
بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور
کشاں کشاں برے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے ۔ ایک
فرقے نے وہ تمام علوم غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
لئے ثابت کئے ہیں جو رسالت اور نبوت سے تعلق
رکھتے ہیں یا گذشتہ امتوں اور احوال برزخ یا قیامت
کے خوفناک حالات سے تعلق رکھتے ہیں یا جنت کی نعمتوں
اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں اس کے علاوہ علم
غیب بھی جو عالم بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں ۔ جو
خدا تعالٰی نے آپکو بتا دیئے ہیں اور یہ عقیدہ افراط و
تفریط کے درمیان ہے اور تقوٰے کے قریب ہے ۔ کاش
ہمیں معلوم ہو جاتا کہ جو لوگ تمام قسم کے علوم غیبیہ کلی
جزئی ماضی ۔ حال اور استقبال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب

[1] من احوال الامم

المنهية في الشرع كالنجوم والجفر
والنيرنجات والكهانة والموسيقى
والسحر والرمل والحكمة اليونانية
في الالهيات وما جوابهم لقول
الله تعالى وما علمناه الشعر وما
ينبغي له وقوله تعالى وما هو
بساحر وما هو بقول كاهن.
فان قيل هذه العلوم ليست من
الغيب بل من الشهادة نقول اما
كانت هذه العلوم داخلة فيما
كان وما يكون فان قيل نعم
قلنا رفع الله تعالى ساحة الرسالة
عن الالمام بهذه العلوم فانه
هو الرسول النبي الامي والكفار
كانوا يتهمونه بالسحر قال الله
تعالى وما هو بساحر ويتهمونه
بالكهانة قال الله تعالى ولا
بقول كاهن وكانوا يقولون
انما يعلمه بشر قال الله تعالى
لسان الذي يلحدون اليه اعجمي
وهذا لسان عربي مبين وان
قيل لا يعني ليست هذه العلوم
داخلة فيما كان وما يكون
نقول ففي اي شيء تدخل هذه

دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دئیے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم
جفر، شعبدہ بازی، کہانت، موسیقی، سحر، رمل، یونانی
فلسفہ جو الٰہیات کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو
حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے
کہ خود خدائے تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ فرمایا ہے
کہ ہم نے اپنے رسولؐ کو شعر کا علم نہیں سکھلایا اور
نہ ہی یہ علم آپ کے شایان شان ہے، اور یہ بھی
فرمایا کہ آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاہن کا
قول نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسم غیب
نہیں بلکہ از قسم ظاہر ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے
کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان ومایکون میں
بھی داخل ہیں یا نہیں؟ تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں
وہ ان میں داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہوں
مگر خدا تعالیٰ نے ذات رسالت کو ان علوم کی آلائش سے
صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسولؐ امی تھے۔ کفار جادو
کا الزام دیتے تھے مگر خدا نے کہا کہ وہ جادوگر نہیں۔
پھر وہ کہانت کا الزام دیتے تھے کہ جن بھوت کے ذریعہ
سے آپ خبریں دیتے ہیں لیکن خدا نے کہا کہ یہ قرآن کسی
کاہن کا قول بھی نہیں۔ پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی اور آدمی
آپکو یہ قرآن سکھاتا ہے تو خدا نے جواب میں کہا کہ جس آدمی
کی طرف تعلیم قرآن کو منسوب کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے۔
عربی زبان جانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔
اگر یوں کہا جائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں یہ
علوم ممنوعہ داخل نہیں تو ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم

العلوم. وای جواب للناهین عن
اخباره صلی اللہ علیه وسلم
بعذاب القبر وسوال الملکین وضغطة
القبر واخباره علیه الصلوة والسلام
بالفتوحات الاسلامیة قبل
وقوعها واخباره باحوال آخر الزمان
فوقع جمیع ما اخبر به صلی اللہ علیه
وسلم کما اخبر به وای جواب لهم
من تعیین مواضع قتل الکفار فی
البدر فقتلوا فی تلك المواضع وهل
البهائم والمجانین یخبرون بمثل هذا
وسمعت من اعمی اللہ قلبه ان النبی
صلی اللہ علیه وسلم لوکان یعلم
فتح المسلمین وقتل الکفار ببدر لما
التجاء الی اللہ فی سجوده بفتح المؤمنین
وقتل الکفار ولم یعلم المحروم ان دعائه
علیه الصلوٰة والسلام للمسلمین کان
تعبدًا او تواضعًا للہ تعالی اما کان
علیه الصلوٰة والسلام یعلم بانه علی
الصراط المستقیم لقوله تعالی انك علی
صراط مستقیم ومع ذلك یقرء فی صلوته
اهدنا الصراط المستقیم قال اللہ تعالی
عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا
من ارتضی من رسول وقال اللہ تعالی

ممنوعہ کس قسم میں داخل ہو گئے۔ اور منکرین علم غیب
ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جن میں نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر۔ سوال ملائکہ۔ قبر
کی تنگی کی خبر دی ہے یا جن میں آپ نے قبل از وقوع
فتوحات اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا آخر زمانہ کی خبریں
دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے جیسا کہ
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ اور اس کا کیا جواب
ہوگا جو آپ نے قتل کفار کے مقامات قتل جنگ بدر میں
بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپ نے
کہا تھا۔ کیا چار پائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے
سکتے ہیں؟ میں نے خود اُس آدمی سے سنا ہے جس
کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہتا تھا کہ اگر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کی فتح جانتے ہوتے اور بدر میں
قتل کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوتے تو مسلمانوں
کی فتح کے لئے اور قتل کفار کے واسطے سجدہ میں پڑ کر
دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم
نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق
میں خدا کے سامنے تواضع اور اظہار خاکساری تھی۔
کیا آپکو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ صراط مستقیم پر قائم ہیں۔
حالانکہ خدا نے بتا دیا ہوا تھا کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں
تاہم آپ نماز میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے کہ اھدنا
الصراط المستقیم۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ تمہارا خدا
عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا
مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے۔ پھر یہ بھی فرمایا

وما كان الله ليطلعكم على الغيب
ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء
اما كان النبي صلى الله عليه وسلم
هو الرسول المرتضى والرسول المجتبى
فان قيل نعم دخل النبي صلى الله عليه
وسلم في الاستثناء في الآية الاولى
لانه هو الرسول المرتضى وفي مضمون
ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء
لانه هو الرسول المجتبى وان قيل لا
نقول فمن الرسول المرتضى والمجتبى
الذي ذكره الله تعالى في الآيتين
المذكورتين والتحقيق في هذا المقام
ان جملة عالم الغيب تصح اطلاقها على
النبي صلى الله عليه وسلم باعتبار البعض
ولا تصح باعتبار البعض الآخر فان علم
بعض المغيبات كاخباره صلى الله عليه
وسلم باحوال عالم البرزخ من ضغطة
القبر وسؤال الملكين وسعة القبر
سبعين ذراعا على المطيع وضيقه
على العاصي واخباره باحوال القيامة
من الوقوف والميزان والصراط والحوض
الشفاعة والجنة ونعيمها والنار وجحيمها
واخباره ببعض المغيبات الدنيوية كمواضع
قتل المشركين ببدر ورد كتاب حاطب بن

کہ خدا تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں
ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب
کر لیتا ہے تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ اور
منتخب شدہ رسول نہ تھے؟ اگر یوں کہا جائے کہ ہاں
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پہلی آیت کے استثناء میں داخل
ہیں۔ کیونکہ آپ برگزیدہ اور پسندیدہ رسول ہیں جس کا
ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے
اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے کیونکہ
آپ ہی رسول مجتبےٰ ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو
پھر ہم پوچھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے سوا ان
دونوں آیات میں کس رسول مجتبےٰ و مرتضےٰ کا ذکر ہے؟
اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا
استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح ہے باعتبار بعض
علم غیب کے اور بعض علم غیب کے اعتبار سے صحیح نہیں
کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپ سے بالکل صحیح
اور درست ہے مثلاً آپ کا عالم برزخ کے متعلق قبر کی
تنگی اور منکر نکیر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے
کی قبر کا ستر گز تک وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے
کی خبر دینا یا احوال قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے
وزن اعمال۔ پل صراط۔ حوض کوثر۔ شفاعت جنت اور
اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کا خبر دینا یا
چند معاملات دنیاوی سے خبر دینا۔ مثلاً بدر میں مشرکین
کی قتل گاہیں بتانا یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس
لینا جو اس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی۔

بلتعة المكتوب الى قريش واخباره اباجهل
بما اخفاه فی يده من الحصاة واخباره
بقتل ملك الفرس صبيحة ليلة قتله و
اخباره بموت النجاشي وصلوة الجنازة
عليه فی المدينة واخباره باكل الارضة
صحيفة المعاهدة لقريش المعلقة فی
جوف الكعبة واخباره بموت جعفر الطيار
ورفيقيه فی غزوة المؤتة واخباره
بالفتح على يد الخالد بن الوليد سيف الله
واخباره بفتح باب قلعة الخيبر على يد
على المرتضى واخباره بسم الشاة المسموم
التی اهدتها اليه اليهودية واخباره
بقتل على المرتضى ذاالثديين من الخارجين
واخباره بفتن اخر الزمان الى غير ذلك
من الاخبارات المغيبة كما لا يخفى على
من له ادنى ممارسة فی العلوم الاسلامية
فان قيل اخباراته بالمغيبات المذكورة
كان باعلام الله تعالى اياه قلنا
حصل المقصود متى قلنا ان اخباراته
بالمغيبات كانت من عند نفسه بغير
اعلام الله تعالى فاطلاق جملة عالم
الغيب عليه صلى الله عليه وسلم صحيح بهذا
الاعتبار فمن قال من المقلدين انه
عالم بجميع الغيوب اوقال عالم

یا ابوجہل کو بتانا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں۔ یا شاہ
فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اسی صبح کو جبکہ مارا گیا
تھا۔ یا موت نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ
میں اسپر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ دیمک اس
کاغذ معاہدہ کو کھا گئی ہے جو قریش نے آپکے خلاف لکھ کر
بیت اللہ شریف میں آویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار
رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے دو
رفیقوں کی خبر دینا جنگ تبوک میں یا حضرت خالد سیف اللہ
کے ہاتھ پر فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا بکری کے گوشت میں زہر
ملانے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپ کی خدمت میں بطور
تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ ذوالثدیین خارجی کو قتل کریں گے۔ یا آخر زمانہ
میں فتنوں کا پیدا ہونا۔ غرضیکہ اسی قسم کی غیبی خبریں
کئی ایک اور بھی آپ نے دی ہیں جو اس شخص پر
مخفی نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت
رکھتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے
سے آپ نے بتائی ہیں اس لئے یہ خبریں غیب نہیں
بلکہ از قسم وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ
ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب تھے اور جب یوں کہا جائے
کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف کے طور پر آپ نے
یہ خبریں دی تھیں تو اس صورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہوگا۔ جو مقلد یوں کہتے
ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے

بما كان ومايكون فمراده من العلوم
العلوم التي تتعلق بالرسالة و
التبليغ وافحام المنكرين واحوال
الانبياء المتقدمين ونجاة اممهم
المطيعين وهلاك المنكرين واحوال
امته عليه الصلوة والسلام في آخر
الزمان وما يأتي عليهم من الفتن و
ما يجري عليهم من المحن حتى يدخل
اهل الجنة الجنة واهل النار النار نعم
العلوم التي لا يليق به مثل الشعر والجفر
والرمل والسيمياء والكيمياء وغير
ذلك والعلوم التي لا تعلق لها بالرسالة
والنبوة والتبليغ كعلم
مثاقيل الجبال ومكائيل البحار و
قطرات الامطار واوراق الاشجار
الى غير ذلك من العلوم التي لا نعلم
اسمها ولا رسمها فذلك كله مختصة
بخالقها ومنشئها ومفنيها
فان قيل اذا ثبت انه صلى الله
عليه وسلم عالم ببعض
العلوم فما معنى اطلاق
جملة عالم الغيب عليه قلنا
ثبوت الصفة للشخص لا
يقتضي العلوم لتلك الصفة

یا یوں کہتے ہیں کہ آپ کو تمام ماکان و مایکون کا علم
غیب تھا۔ تو ان کی مراد بھی وہی علوم غیبیہ ہیں۔ جو
تبلیغ رسالت اور منکرین کو لاجواب کرنے یا گذشتہ
انبیاء علیہم السلام کے حالات معلوم کرنے کے متعلق
ہیں یا ان کی مطیع امت کی نجات اور منکرین کی ہلاکت
کے متعلق ہیں۔ یا جو امت محمدیہ کے احوال سے تعلق
رکھتے ہیں جو اخیر زمانے میں پیش آئیں گے یا ان فتنوں
کی بابت ہیں جو امت محمدیہ پر آنے والے ہیں یا ان
تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ
اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اور اہل نار دوزخ
میں جا پڑیں گے۔ مگر ہاں وہ علوم جو آپ کے شان کے شایاں
نہیں مثلاً علم شعر۔ جفر رمل سیمیا۔ کیمیا وغیرہ اور
وہ علوم کہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے قطعاً نہیں۔
مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا۔ سمندروں کے پانی
ماپنے کا علم یا بارش کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے
پتوں کی گنتی اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن کے نام
بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں ان کی تشریح
معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم کے علوم خاص خدائے خالق سے
ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرنے والا ہے
کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر کہا جائے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض غیبوں کے عالم
ہیں تو پھر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال
کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ
کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا یہ

بل يكفي في ذالك حصول بعض
افراد الصفة لذات الشخص
فانك اذا قلت زيد عالم
فليس المراد ان زيدا عالم
بجميع علوم العالم حلالها و
حرامها بل المتبادر من هذا القول
ان زيدا عالم بعلوم المتوجه
المتداولة قال الله تعالى ان
الانسان ليطغى ان راه استغنى
اى بعض الانسان فان كثيرا
من الاغنياء كانوا عباد الله
الصالحين بل الانبياء والمرسلين
صلوات الله عليهم اجمعين ومن
المسئلة تلك المسائل مسئلة ايصال
ثواب الاعمال لارواح الاموات
قالوا حرام او ممنوع او لغو عبث
لايضر ولا ينفع على اختلاف
آرائهم مستدلين بقوله تعالى
وان ليس للانسان الا ما سعى.
وفي هذه المسئلة اختلاف كثير بين
علماء الطرفين وذكر حججهم يطول
والعبد الضعيف مؤلف الرسالة
لما راى بيان الشيخ ابن القيم[1] الجوزية
الحنبلي في هذه المسئلة مشحونا

معنی نہیں ہوتا کہ اس صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے بعض حصے اس میں پائے جائیں کیونکہ جب یوں کہتے ہو کہ زید عالم ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیاوی حلال حرام وغیرہ سب جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو روزمرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا کا قول ہے کہ انسان بیشک اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپکو مستغنی دیکھتا ہے۔ اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں ورنہ کئی ایک مالدار اللہ کے بندے ہوگزرے ہیں بلکہ مالدار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تھے۔ اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصال ثواب کا بھی ہے۔ کہ مردوں کی روحوں کو اپنے اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بیفائدہ ہے۔ جس میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اس کے متعلق ان کے خیالات مختلف ہیں بہرحال مانعین کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کے لئے اپنی ہی کمائی کام آئے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے علما کے درمیان بڑا اختلاف ہے جن کے دلائل کا ذکر کرنا طوالت ہوگا۔ مگر اس رسالہ کے مصنف عبد ضعیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ میں ایک مضمون دیکھا جس میں انصاف بھرا ہوا

(١) محمد ابن القيم الجوزية توفي سنة ٧٥١ هـ. [١٣٥٠ م.]

بالانصاف اخذ برد استحسن
المقابلة معهم باعتقاد الشيخ
فيها لانه من اكابر مشايخهم في المذهب
لعلهم يرجعون الى الحق وها انا
اذكر ما قال الشيخ رحمه الله تعالى
في كتاب الروح فقال واما المسئلة

مسئلة وصول ثواب اعمال الاحياء الى الاموات

السادسة عشرة وهي هل تنتفع ارواح
الموتى بشيئ من سعي الاحياء ام لا
فالجواب انها تنتفع من سعي الاحياء
بامرين يجمع عليهما بين اهل السنة
من الفقهاء واهل الحديث والتفسير
احدهما ما تسبب اليه الميت في
حياته والثاني دعاء المسلمين
له واستغفارهم له والصدقة
والحج على نزاع ما الذي يصل
من ثوابه هل هو ثواب الانفاق
او ثواب العمل فعند الجمهور يصل
ثواب العمل نفسه وعند بعض
الحنفية انما يصل ثواب الانفاق
واختلفوا في العبادة البدنية
كالصوم والصلوة وقراءة القرآن
والذكر فمذهب الامام احمد
وجمهور السلف وصولها
وهو قول بعض اصحاب

تھا۔ تو میں نے وہی اختیار کر لیا اور یہی پسند کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کر دوں، کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین کا ایک مسلّم بزرگ ہے۔ امید ہے کہ وہ بھی حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ میں شیخ صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب کتاب الروح میں درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سولھواں مسئلہ یہ ہے کہ آیا مُردہ کی رُوح زندہ کے اعمال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یوں ہے کہ فائدہ اٹھا سکتی ہے دو طریق سے جن پر اہل سنت کے فقہاء، اہلحدیث اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ پہلا طریق یہ ہے کہ مُردہ اپنی زندگی میں اس عمل کا باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دعاء اور استغفار کریں یا صدقہ خیرات کریں یا حج کریں۔ گو اس میں یہ اختلاف ہے کہ مُردہ کو ثواب مال خرچ کرنے کا ملے گا یا اصل عمل کا ثواب ہو گا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے اور بعض حنفیہ کے نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات مثلاً نماز روزہ، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور جمہور سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے

ابی حنیفة نص علی ھذا الامام
احمد فی روایة محمد بن یحیی الکحال
قال قیل لابی عبد اللہ الرجل
یعمل الشیئ من الخیر من صلوٰة
او صدقة او غیر ذلک فیجعل
نصفہ لابیہ او لامہ قال ارجو
وقال المیت یصل الیہ کل شیئ
من صدقة او غیرھا وقال
ایضًا اقرأ ایة الکرسی ثلاث
مرات وقل ھو اللہ احد وقل
اللھم ان فضلہ لاھل المقابر۔
فالدلیل علی انتفاعہ بما تسبب
الیہ فی حیاتہ ما رواہ مسلم فی
صحیحہ من حدیث ابی ھریرة
رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات
الانسان انقطع عنہ عملہ الا من
ثلاث الا من صدقة جاریة
او علم ینتفع بہ او ولد صالح
یدعو لہ فاستثناء ھذہ الثلث
من عملہ یدل علی انھا منہ فانہ
ھو الذی تسبب الیھا وفی سنن
ابن ماجہ من حدیث ابی
ھریرة رضی اللہ عنہ قال

اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں
کا بھی ہے۔ اور اس فتوے پر محمد بن یحییٰ کحال
کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ
سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل
کرتا ہے۔ مثلاً نماز۔ صدقہ۔ خیرات یا کوئی اور
نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا
اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا
کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ
میّت کو ہر چیز (از قسم صدقہ وغیرہ) پہنچتی ہے
یہ بھی کہا کہ آیۃ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ
احد ایک دفعہ پڑھو اور یوں دعا میں کہو کہ یا اللہ
اس کا ثواب اہلِ مقابر کو پہنچے۔ اس امر کا ثبوت
کہ جس نیک کام کا مُردہ خود باعث اپنی زندگی میں
بن چکا ہے اُس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ
ہے کہ امام مُسلمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ انسان جب مرتا ہے
تو اس کے اعمال ختم ہوجاتے ہیں مگر تین قسم
کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اوّل صدقہ جاریہ
دوم مفید علم سوم نیک اولاد جو اُس کے حق
میں دعاگو رہے۔ ان تین اعمال کا استثنا کرنا
اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میّت کے
ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے اور سنن ابن
ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک

قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم انما يلحق المومن من عمله
وحسناته بعد موته علما علمه ونشره
او ولدا صالحا ترکه او مصحفا
ورثه او مسجدا بناه او بيتا
لابن السبيل بناه او نهرا کراه
او صدقة اخرجها من ماله في
صحته وحياته تلحقه بعد موته۔
انتهى مختصرا والدليل على
انتفاعه بغير ماتسبب فيه
القران والسنة والاجماع و
قواعد الشرع اما القران
فقوله تعالى والذين جاؤا
من بعدهم يقولون اغفرلنا
ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان
فاثنى الله سبحانه عليهم
باستغفارهم للمؤمنين
قبلهم وقد دل على انتفاع الميت
بالدعاء اجماع الامة على
الدعاء له في صلوة الجنازة
وفي السنن من حديث ابي
هريرة رضي الله عنه قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم
اذا صليتم على الميت فاخلصوا له

یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے
موت کے بعد اس کو یہ عمل پہنچتے ہیں۔ اول
جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد
جسے اپنا جانشین بنا گیا۔ سوم قرآن مجید جو ورثہ
میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم
سرائے جو مسافروں کے لئے تیار کی۔ ششم نہر
جو اس نے کھدوائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں
بحالت صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد
اسے پہنچے گا (مختصر طور پر یہ مضمون ختم ہوا) اور
یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مُردہ نہیں بنا۔ اس کا
ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت
قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا
ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ جو مسلمان پہلے
مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں
کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو
بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں دیکھو
خدا تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے۔ جو
اپنے پہلوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں، اور اجماع
امت محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے
لئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب
حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک
روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو خلوص دل

الدعاء وفی صحیح مسلم من حدیث
عوف بن مالک قال صلی اللہ علیہ
وسلم علی جنازۃ فحفظت من
دعائہ وھو یقول اللھم اغفرہ
وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم
نزلہ واوسع مدخلہ الی اخر الحدیث
انتھی مختصرا **فصل** واما وصول
ثواب الصدقۃ ففی الصحیحین
عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان
رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقال یا رسول اللہ ان امی
افتلتت نفسہا ولم توص واظنہا
لو تکلمت تصدقت افلہا اجر
ان تصدقت عنہا قال نعم
وفی صحیح البخاری عن
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
ان سعد بن عبادۃ توفیت امہ
وھو غائب عنہا فاتی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان امی
توفیت وانا غائب عنہا فھل ینفعہا
ان تصدقت عنہا قال نعم قال
فانی اشھدک ان حائطی المخراف
صدقۃ عنہا وفی السنن و

فصل

سے اس کیلئے دعا کرو اور صحیح مسلم میں عوف بن
مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے
جو دعا فرمائی تھی میں نے وہ یاد کر لی چنانچہ آپ فرماتے
تھے کہ یا اللہ اسے بخشدے اور اس پر رحم کر اور
اسے سلامتی دے۔ اس کے قصور معاف کر۔ اپنے
پاس عزت وآبرو کے ساتھ اسے فرودکش کر اور اپنی
بارگاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر (انتہی) **(فصل)**
صدقہ کا ثواب پہنچنا اس حدیث سے ثابت ہے
جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی
ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر
ہوا اور کہا کہ میری ماں مرگئی ہے اور وصیت نہیں
کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو ضرور صدقہ
کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملیگا
تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملیگا۔ صحیح بخاری میں
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مرگئی اور
وہ غیر حاضر تھا۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کے پاس
آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میری ماں میری
غیر حاضری میں مرگئی ہے تو اگر میں اس کی
طرف سے وکیل بنکر صدقہ کروں تو کیا اسے
کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں فائدہ
ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا مخراف
باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے اور یہی حدیث

مسند احمد عن سعد بن عبادة انه قال یا رسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بیرا وقال هذه لام سعد ۔ انتھی

فصل

فصل واما وصول ثواب الصوم ففی الصحیحین عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه وفی الصحیحین ایضا عن ابن عباس رضی الله عنهما قال جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله ان امی ماتت وعلیها صوم شهر افاقضیه عنها قال نعم وفی روایة جاءت امراءة الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یا رسول الله ان امی ماتت وعلیها صوم نذر افاصوم عنها قال ارأیتِ لو کان علی امك دین فقضیته اکان یؤدی ذلك عنها قالت نعم قال فصومی عن امك وهذا

یں نقل ہے اور مسند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مرگئی ہے تو آپ فرمائیے کہ کس قسم کی خیرات اس کی طرف سے افضل ہوگی تو آپ نے فرمایا کہ پانی کی خیرات افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے (انتھی)

(فصل) رہا روزہ کا ثواب پہنچنا تو اس کے متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مر جائے اور اس کے ذمہ پر روزے باقی ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں مرگئی ہے اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے قضا کروں تو آپ نے فرمایا ہاں قضا کرو ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں مرگئی ہے اور اس کے ذمہ پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں روزے رکھوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ خیال کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اسے ضرور ادا کرتی۔ تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہوجاتا یا نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہوجاتا۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی

فصل

اللفظ للبخاری وحدہ تعلیقا
انتہی مختصرا۔ **فصل** واما
وصول ثواب الحج ففی صحیح
البخاری عن ابن عباس
رضی اللہ عنہما ان امراۃ من
جہینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت
ان تحج فلم تحج حتی ماتت
افاحج عنہا قال حجی عنہا ارایت
لوکان علی امک دین اکنت
قاضیۃ اقضوا اللہ فاللہ
احق بالقضاء وروی ایضا
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
ان امراۃ سالت النبی صلی اللہ
علیہ وسلم عن ابنہا مات ولم
یحج قال حجی عن ابنک انتہی مختصرا
ثم قال الشیخ واجمع المسلمون
علی ان قضاء الدین یسقطہ
من ذمتہ ولوکان من اجنبی
اومن غیر ترکتہ وقد دل علیہ
حدیث قتادۃ حیث ضمن
الدینارین عن المیت فلما قضا
ھما قال لہ النبی صلی اللہ علیہ
وسلم الآن بردت علیہ جلدتہ

رکھ دیہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری ہی میں ہیں) (انتہی)
(**فصل**) رہا ثواب حج کا پہنچنا۔ تو اس کے متعلق
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین
میں موجود ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی
کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ حج کرونگی مگر وہ حج
نہیں کر سکی اور مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج
کروں؟ آپؐ نے فرمایا۔ اس کی طرف سے حج کر۔ پھر
فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تو
اس کی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ
بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ
ضروری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت
ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مرگیا ہے
اور حج نہیں کر سکا۔ تو آپؐ نے فرمایا تو پھر تم اس
کی طرف سے حج کرو (انتہیٰ مختصراً) اس کے بعد شیخ
موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر
اجماع اور اتفاق ہے کہ میت کا قرضہ بعد میں ادا
کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ادا کرنے والا
کوئی بیگانہ ہو یا اس کے مال متروکہ سے بھی ادا نہ
کیا جائے۔ اور حدیث قتادہؓ کی اس کا ثبوت دیتی
ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دو دینار کی
ضمانت دی تھی اور جب ادا کردیئے تو حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ اب تو نے اس کے جسم کو ٹھنڈا کیا ہے اب

(واما قراءة القرآن فقال الشيخ
في اول كتاب الروح في المسألة
الاولى وقد ذكر عن جماعة من السلف
انهم اوصوا ان يقرأ عند قبورهم
وقت الدفن قال عبد الحق يروى
ان عبد الله بن عمر أمر ان يقرأ
عند قبره سورة البقرة وممن
رأى ذلك المعلى بن عبد الرحمن
وكان الامام احمد ينكر ذلك
اولا حيث لم يبلغه فيه اثر
ثم رجع عن ذلك وقال
الخلال[1] في الجامع كتاب القراءة
عند القبور اخبرنا العباس
بن محمد الدوري ثنا يحيى
بن معين ثنا مبشر الحلبي
حدثني عبد الرحمن بن
العلاء بن الحلاج عن ابيه
قال قال ابي اذا انا مت
فضعني في اللحد وقل بسم الله
وعلى سنة رسول الله وسن
علي التراب سنا واقرء عند رأسي
بفاتحة البقرة وخاتمتها فاني سمعت
عبد الله بن عمر يقول ذلك انتهى
مختصرا ثم قال الشيخ بعد ايراد

رہی تلاوتِ قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف
نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے آغاز میں مسئلہ
اول کہہ کر بیان کیا ہے کہ سلف صالحین کی
ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے
مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت
ان کے پاس قرآن شریف پڑھا جائے۔ شیخ
عبدالحق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے
روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے
پاس سورۂ بقر پڑھی جائے اور مجوزین میں سے
ایک حضرت علی بن عبدالرحمن بھی ہیں اور حضرت احمد
بن حنبلؒ جب تک کہ آپ کو کسی صحابی کا عمل معلوم
نہ تھا۔ اس کے منکر تھے۔ پھر آپ نے رجوع کر لیا
اور جناب خلال اپنی جامع میں یہ عنوان دیکر
کہ قبر کے پاس تلاوتِ قرآن جائز ہے لکھتے ہیں
کہ عباس بن محمد دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن
معین نے ہمیں بتایا تھا کہ معشر حلبی نے کہا ہے
کہ عبدالرحمن بن علاء بن حلاج اپنے باپ سے
روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب
میں مر جاؤں تو مجھے لحد میں رکھتے ہوئے یوں کہو
بسم اللہ علی سنت رسول اللہ۔ پھر مجھ پر مٹی ڈالتے
جانا اور میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور
آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبداللہ
بن عمر سے سنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے
(انتہی مختصراً)، اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی

(١) ابو بكر احمد خلال البغدادي الحنبلي توفي سنة ٣١١ هـ. [٩٢٣ م.]

الادلة العقلية والنقلية و
هذه النصوص متظاهرة على
وصول ثواب الاعمال الى الميت
اذا فعله الحی عنه وهذا
محض القياس فان الثواب
حق العامل فاذا وهبه لاخيه
المسلم لم يمنع من ذلك
كما لم يمنع من هبة ماله
فی حياته وابرائه له منه بعد موته
وقد نبه النبی صلی الله عليه
وسلم بوصول ثواب الصوم
الذی هو مجرد ترك ونية
تقوم بالقلب لا يطلع عليه
الا الله وليس بعمل الجوارح
وعلى وصول ثواب القراءة
التی هی عمل باللسان تسمعه
الاذن وتراه العين بطريق
الاولى۔ ويوضحه ان الصوم نية
محضة وكف النفس عن المفطرات
وقد اوصل الله ثوابه الى الميت
فكيف بالقراءة التی هی عمل و
نية بل لا تفتقر الى النية فوصول
ثواب الصوم الى الميت فيه تنبيه
على وصول سائر الاعمال

اور نقلی دلائل دے چکے ہیں. فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات
اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے
کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے
اور عقل کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے
والے کا حق ہے مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو
بخش دیتا ہے تو کوئی ممانعت نہیں ہوتی جسطرح
کہ اس امر کی ممانعت نہیں کہ اسکی زندگی میں
اپنا کچھ مال بخشدے یا اسکی موت کے بعد اسکو مال کی
ادائیگی سے بری الذمہ کردے. خود رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبردار کردیا ہے کہ روزہ
کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف
ترک اکل وشرب اور نیت کا نام ہے اور نیت کا تعلق
صرف دل سے ہے جسپر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
مطلع نہیں ہوتا اور یہ روزہ کوئی محسوس قسم کا عمل
نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی بتا دیا ہے
کہ قرأۃ قرآن کا ثواب بھی بطریق اولے پہنچتا ہے
جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سنتے ہیں اور آنکھ
دیکھتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت
ہے اور روزہ شکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام
ہے۔ اور خدا اسکا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے تو
بھلا قرأۃ قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا جو عمل اور
نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت
نہیں ہوتی پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے
میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی

والعبادات قسمان مالية و بدنية وقد نبّه الشارع بوصول ثواب الصدقة على وصول ثواب سائر العبادات المالية و نبّه بوصول ثواب الصوم على وصول ثواب سائر العبادات البدنية و اخبر بوصول ثواب الحج المركب من المالية و البدنية فالانواع الثلثة ثابتة بالنص والاعتبار وبالله التوفيق۔

ثم قال الشيخ قال المانعون قال الله تعالى وان ليس للانسان الا ما سعى وقال لا تجزون الا ما كنتم تعملون وقال لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت وقد ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا مات العبد انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية عليه او ولد صالح يدعو له او علم ينتفع به من بعده فاخبر انه انما ينتفع بما كان تسبب اليه في الحيوة وما لم يكن قد تسبب فهو منقطع عنه

میت کو پہنچتا ہے۔ اب عبادات دو قسم ہیں مالی اور بدنی اور تیسری ان کے مرکب کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ثواب صدقہ کے پہونچنے میں باقی عبادات مالیہ کے پہنچنے پر اشارہ کر دیا ہے اور روزہ کے ثواب پہنچنے میں آپ نے اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور آپ نے حج کے ثواب پہنچنے کی بھی خبر دی ہے جو عبادت مالی اور بدنی سے مرکب ہے۔ پس تینوں قسم کا ایصالِ ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا وباللہ التوفیق۔

پھر شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم کو اسی کا بدلہ ملیگا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ انسانی نفس کے لئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کمایا ہوگا۔ اور اس پر اس بدعملی کا بوجھ پڑیگا۔ جو نفس پروری کے لئے اس نے کمائی ہوگی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان مرتا ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو جو اس کے نام پر چلتا رہے یا اولاد نیک ہو جو اُسے نیک دعا دے یا مفید تعلیم ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے وہ اعمال نافعہ بتائے ہیں کہ جن میں بحالتِ حیات خود انسان کی اپنی کوشش کا کچھ دخل ہو اور جنمیں اس کا کچھ دخل نہیں۔ وہ عمل

ثم ذكر الشيخ دلائل عقيدتهم
واعتراضاتهم على المجوزين
وقال اصحاب الوصول ليس
فى شيئ مما ذكرتم مايعارض
ادلة الكتاب والسنة واتفاق
سلف الامة ومقتضى قواعد
الشرع اما قوله تعالى وان
ليس للانسان الا ما سعى
فقد اختلفت طرق الناس
فى المراد بالاية فقالت طائفة
المراد بالانسان ههنا الكافر
واما المؤمن فله ما سعى
وما سعى له وقالت طائفة
الاية اخبار شرع من قبلنا
وقد دل شرعنا على انه
ما سعى وما سعى له وقالت
طائفة اللام بمعنى على اى و
ليس على الانسان الا ما سعى
وقالت طائفة فى الكلام حذف
تقديره وان ليس للانسان
الا ما سعى او سعى له وقالت
طائفة اخرى الاية منسوخة بقوله
تعالى والذين امنوا واتبعتهم
ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم

ضرور بند کئے جائینگے۔ اس کے بعد شیخ موصوف نے انکے عقائد کے دلائل بیان کئے ہیں اور مجوزین ایصال ثواب پر انکے اعتراضات لکھے ہیں پھر جو ایصال ثواب کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔ اس میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف ہو جو ہم نے کتاب وسنت اور اجماع سلف صالحین اور نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے کیونکہ یہ آیت کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ مفسرین کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور مومن انسان کیلئے اس کی اپنی کمائی بھی مفید ہے اور وہ کمائی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کیلئے کی جائے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے۔ ورنہ ہماری شریعت میں تو اپنی اور غیر کی کمائی دونوں ثابت ہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ لام بمعنی علیٰ ہے اور اس کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اسی کی کمائی سے ہوگا غیر کی بدعملی سے اسے نقصان نہیں پہنچیگا۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ اس مقام پر (او سُعِیَ لَہٗ) مقدر ہے تو اصل آیت یوں ہوگی کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ او سُعِیَ لَہٗ ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انکی اولاد ایمان لانے میں انکی تابع ہے تو ہم انکی اولاد کو ان ہی کے

وهذا منقول عن ابن عباس رضي الله عنهما وقالت طائفة اخرى المراد بالانسان الحي دون الميت . قال الشيخ رحمه الله تعالى وهذه التاويلات كلها من سوء التصرف في اللفظ العام . ولم يرض به الشيخ ثم قال و قالت طائفة اخرى وهو جواب ابي الوفاء[1] بن عقيل قال الجواب الجيد عندي ان يقال لانسان بسعيه وحسن عشيرته اكتسب الاصدقاء واولد الاولاد و نكح الازواج واسدى الخير وتوددوا الى الناس فترحموا عليه واهدوا له العبادات وكان ذلك اثر سعيه كما قال صلى الله عليه وسلم ان اطيب ما اكله من كسبه وان ولده من كسبه . وهذا جواب متوسط يحتاج الى تمام فان العبد بايمانه وطاعته لله ورسوله قد سعى في انتفاعه بعمل اخوان المؤمنين مع عمله كما ينتفع بعملهم في الحيوة مع عمله فان المؤمنين ينتفع بعضهم بعمل بعض في الاعمال التي يشتركون فيها كالصلاة في جماعة ثم قال فدخول المسلم مع

شامل کر دینگے اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے، مُردہ انسان مراد نہیں شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام لفظ کو بری طرح بگاڑتی ہیں اسلئے ہم انکو پسند نہیں کرتے۔ پھر ایک اور جماعت کا قول نقل کرکے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابوالوفا بن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے بچے پیدا کرتا ہے بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ غیر سے بھلائی کرتا ہے۔ اور لوگوں سے دوستانہ گانٹھتا ہے تو لوگ اسپر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں تو یہ سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خوراک وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے۔ اس کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا و رسول کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے انکے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے ایسے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں جس میں ملکر شریک کار ہوں جیسے جماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔ پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری

(١) ابوالوفاء علي بن عقيل الحنبلي توفي سنة ٥١٣ هـ. [١١١٩ م.] في بغداد

جملة المسلمين في عقد الاسلام من أعظم
الأسباب في وصول نفع كل من المسلمين
الى صاحبه في الحيوٰة وبعد
مماته ثم قال فالعبد بايمانه
قد تسبب الى وصول هذا الدعاء
اليه فكانه من سعيه يوضحه
ان الله سبحانه جعل العبادة
سببا لانتفاع صاحبه بدعاء
اخوانه من المؤمنين وسعيهم
فاذا اتى به فقد سعى في السبب
الذي يوصل اليه ذالك وقد
دل على ذالك قول النبي
صلى الله عليه وسلم لعمرو
بن العاص[1] ان اباك لو اقر
بالتوحيد نفعه ذالك
يعني العتق الذي فعل عنه
بعد موته فلو اتى بالسبب
لكان قد سعى في عمل يوصل
اليه ثواب العتق وهذه
طريقة لطيفة حسنة جدا
انتهى ما ذكره الشيخ ابن القيم
الجوزية رح في كتاب الروح
في المسئلة السادسة عشر
بالاختصار قال العبد الضعيف

کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے اس امر کا
کہ ہر ایک مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے
زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ پھر شیخ فرماتے
ہیں کہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں
دعائے خیر لینے کا باعث ہوتا ہے تو گویا یہ دعا بھی
اسی کی کوشش ہے۔ اس کی وضاحت اس سے
ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عبادت کو اس
امر کا سبب بنایا ہے کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں
کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب
عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں
کوشش کرتا ہے جس کے طفیل سے وہ فائدہ اسے
پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
فرمان بھی دلالت کرتا ہے جو آپ نے عمرو بن عاص
کو فرمایا تھا جبکہ اسکا باپ بحالت کفر مرگیا اور
اس نے اسکی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کہ اگر وہ
توحید کا قائل ہوجاتا تو یہ غلام آزاد کرنا اسے مفید
پڑتا جو اس کی موت کے بعد اسکی طرف سے آزاد کیا
گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا
یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اسکو غلام
آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ یہ طریق جواب بہت
لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام مضمون مختصر طور
پر یہاں ختم ہوگیا ہے جو شیخ ابن قیم جوزی نے
اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولھویں مسئلہ میں
درج کیا ہے۔ اب عبد ضعیف (مولف رسالہ ہذا)

(١) عمرو بن العاص توفي سنة ٤٣ هـ. [٦٦٣ م.] في مصر

مسئلة بشرية سيدنا محمد عليه السلام

ان قلت لاحد ليس لك من
الدنيا الا ما تملكه وجاء احدٌ
واعطاه مالا كثيرًا فلا يعارض
ماحصل له قولك ليس لك
من الدنيا الا ما تملكه انتهى. و
من تلك المسائل مسئلة البشرية
لسيدنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقال قوم من اطلق
البشرية على النبي صلى الله عليه
وسلم فقد كفر لان في هذا
الاطلاق توهين للرسول والكفار
كانوا يقولون انما انت بشر وقال
قوم هو بشر مثلنا لان الله تعالى
امره بقوله قل انما انا بشر مثلكم
ومنزلته عندنا بمنزلة الاخ
الاكبر وليت شعري باي وجه سموه
الاخ الاكبر ان كان مرادهم بالاكبرية
المتقدم في الزمان فقط فابو اللهب[1] احق
باخوتهم لاتفاقهم معه في تحقير النبي
صلى الله عليه وسلم وان كانت الاكبرية
بالرتبة والتقرب الى الله تعالى فاي
مناسبة لهم به صلى الله عليه وسلم وان
كان مرادهم اخوة الاسلام فما معنى الاكبر
فانما المؤمنون اخوة ووقع الطائفتان

کہتا ہے کہ اگر تم کسی سے یوں کہدو کہ تیرے پاس
توصرف دنیاوی مال وہی ہے جس کے تم اب مالک
ہو۔ مگر کسی نے اگر اسکے بعد اسے بہت مال دیدیا
تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہوگا
کہ تم صرف اتنے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے
پاس ہے (انتہی) متنازع فیہ مسائل میں سے ایک
مسئلہ بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے
ایک جماعت کا قول ہے کہ جو شخص آپ پر بشر کا لفظ
استعمال کرتا ہے وہ کافر ہوجاتا ہے کیونکہ اسمیں حضور
علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے کیونکہ کافر ہتک کرتے ہوئے
یہ لفظ کہا کرتے تھے کہ تم آخر بشر ہی ہو۔ ایک فرقے کا قول
ہے کہ آپ ہمارے جیسے ہی بشر تھے کیونکہ آپکو خدا نے حکم
دیا ہے کہ آپ کہدیں کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں
اور ہمارے نزدیک آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے
مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ کس وجہ سے ان لوگوں نے رسول
کو بڑا بھائی بنایا ہے کیونکہ اگر اس بڑائی سے مراد پہلے زمانہ
میں ہونا مراد ہے تو ابولہب کو زیادہ مستحق ہے کہ انکا بھائی
بن جائے کیونکہ وہ نبی علیہ السلام کی توہین پہلے زمانہ میں
ان سے متفق ہوگیا ہے اور اگر بڑائی سے مراد مرتبہ کی بڑائی
ہے یا قرب الٰہی کی بڑائی مراد ہے تو ان کو حضور علیہ السلام سے
کوئی بھی تناسب حاصل نہیں ہے اور اگر ان کی مراد اسلامی
برادری ہے تو پھر بڑا بھائی کہنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ
تمام مؤمنین چھوٹے بڑے یکساں بھائی ہیں۔ بہرحال یہ دونو
فرقے افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ

(١) ابو اللهب الخبيث عم النبي ﷺ وعدوه مات بعد غزوة بدر ثمانية ايام زوجته ام جميلة كانت

فی الافراط والتفریط والحق ان فی المسئلة
تفصیل فالبشر اسم لاولاد آدم علیہ السلام
بمعنی الانسان وسماہ اللہ تعالیٰ بشرا فقال
تعالیٰ انی خالق بشرا من طین والنبی صلی اللہ
علیہ وسلم سید اولاد آدم فاذا کان الاب
بشرا لابد ان یکون الولد بشرا لکن البشر لہ
صفات وخصوصیات ان ارتقی الی
درجات القرب کان افضل من الملئکة
وان نزل الی درکات البعد کان ارذل
من الشیاطین فالانبیاء علیہم الصلوٰة
والسلام عموما وسیدنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بالخصوص ارتقی بفضل اللہ و
رحمتہ الی اقصی درجات القرب والتمکین
حتی کان فی مقام قاب قوسین او ادنیٰ
لان فضل اللہ کان علیہ عظیما ومع ذلک
القرب ھو بشر وانسان بقی الکلام فی المثلیة
الواردة فی القرآن فالمثلیة ثابتة لاشتراک
الناس معہ فی ماھیة البشریة والانسانیة
لا فی خصوصیاتہا وصفاتہا ویکفی فی
المثلیة الاشتراک فی الصفة الواحدة و
لا یلزم الاشتراک فی جمیع الصفات فانک
اذا قلت زید مثل الاسد فمقصودک
اشتراک الزید مع الاسد فی صفة الشجاعة
فقط لا فی جمیع صفات الاسد لانہ سبع والزید

اس مسئلہ کی تشریح یوں کی جائے کہ بشر اولاد آدم علیہ السلام
کا نام ہے جس کے معنے انسان ہے۔ خدا نے آدم کو بھی بشر کہا
ہے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر
پیدا کروں گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آدم علیہ السلام
کی ہی اولاد ہیں اور جب باپ بشر ہے تو بیٹا بھی ضرور بشر ہی
ہوگا مگر اس کے علاوہ بشر کے اندر اوصاف اور خاصیتیں بھی
ہیں جن کی وجہ سے وہ قرب الہٰی تک پہنچتا ہے اگر وہ یہاں
پہنچ گیا تو فرشتوں سے بھی افضل ہوگا اور اگر بارگاہ الہٰی سے
دوری کے گڑھوں میں گر گیا تو شیطان سے بھی زیادہ رذیل
ہوگا تو انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم خصوصاً خدا کے فضل وکرم سے قرب الہٰی کے اعلیٰ درجات
پر پہنچ چکے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ تو قاب قوسین او ادنیٰ
کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا فضل آپ پر بے حد تھا
باوجود اس قرب الہٰی کے پھر بھی آپ بشر اور انسان ہی
ہیں۔ اب یہ بحث باقی ہے کہ قرآن شریف میں جو مثلکم آتا ہے
اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی حقیقت
میں اشتراک کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے مساوات حاصل
ہے مگر بشر کی خصوصیات اور اعلیٰ صفات میں ان سے الگ
ہیں اور مساوات فی البشریۃ کے لئے صرف ایک وصف بھی
کافی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ آپ باقی صفات کاملہ میں بھی
دوسروں کے مساوی ہوں یا وہ آپکے مساوی ہوں جیسا کہ
تم یوں کہتے ہو کہ زید شیر ہے تو تمہارا مقصود صرف یہ ہوتا ہے
کہ زید شیر کے ساتھ شجاعت میں مساوی اور شریک ہے۔ باقی
صفات شیر میں شریک نہیں کیونکہ شیر وحشی جانور ہے اور یہ

انسان ولنعم ما قيل فى المثل السائر
محمد صلى الله عليه وسلم بشر لا كالبشر بل
هو كالياقوت بين الحجر وما ادرى لاى
سبب ينفون البشرية عنه صلى الله عليه
وسلم فان البشرية هى سبب لتصديق
رسالته ومعجزاته وخوارق عاداته فان
المعجزات وخوارق العادات تصير سببا
لتصديق دعوى الرسالة اذا صدرت
من البشر واما ان صدرت من الملك او
من الجن والشياطين فاى غرابة فيه
فان خوارق العادات من الملئكة و
الشياطين امر عادى بل مفهوم المعجزة
وخرق العادة يتصور بالنسبة الى
الانسان بان غير الانبياء عليهم الصلوٰة
والسلام يعجزون عن الاتيان بمثله فلذا
سميت المعجزة خرق العادة اى خرق
عادة بنى آدم لا خرق عادة الملئكة و
الشياطين قالوا انه صلى الله عليه وسلم نور
لان الله سبحانه وتعالى قال يا ايها الناس
قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين قلنا
آمنا وسلمنا انه نور لكن النورانية تصير
سببا للمدح اذا صار البشر نورا بارتقائه
من كثافة البشرية الى معارج
النور الاصلى اما غير البشر

انسان ہے۔ ایک مشہور ضرب المثل میں خوب کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم بشر تو ہیں مگر عام بشر کی مانند نہیں بلکہ آپ یاقوت
کی طرح ہیں کہ وہ بھی پتھر تو ہوتا ہے مگر اُسے یاقوت کہتے ہیں
پتھر نہیں کہتے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے
بشریت کی نفی کیوں کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپ کی رسالت
کی تصدیق اور آپ کے معجزات اور خرق عادات کی تصدیق
کا سبب ہے۔ کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا
خرق عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنا کرتے
ہیں۔ ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہوں یا جن اور
شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ خرق عادت
فرشتوں اور شیاطین سے ایک مسلمہ اور عادی امر ہے
بلکہ معجزہ اور خرق عادت کی حقیقت ہی انسان سے تعلق
قائم کرنے کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ دوسرے انسان
انبیاء علیہم السلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہوا کرتے ہیں
اسی بنا پر معجزہ کو خرق عادت کا نام دیا گیا ہے یعنی معجزہ
بنی آدم کی روزمرہ عادت کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب
نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی
باہر ہوتا ہے۔ صوفی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نور ہیں کیونکہ
خدا نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے
اور روشن کتاب (قرآن مجید) لایا ہے۔ اسلئے آپکو بشر کہنا
صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے اور ہمارا بھی
ایمان ہے کہ آپ نور ہیں مگر نورانیت انسان اور بشر ہی کے
لئے تعریف کا سبب بنتی ہے جبکہ وہ کثافت بشری سے
نکل کر اصلی نورانیت کے بلند مراتب پر ترقی کر جائے اور جب

ان اتصف بالنور فالنورانية
فيه طبعية لا كسبية قال الله تعالى
والقمر نورا فالقمر ما ارتقى من كثافة
المادية الى النورانية بكسبه بل
خلقه الله تعالى نورا فيكون نورانيته
طبعية وليس فيه غرابة ومدح معتد
به قال الله تعالى يهدي الله لنوره
من يشاء فالبشرية الصافية عن
الكدورات النفسانية مدح واي
مدح وكمال اي كمال والعجب من القوم
كيف زعموا الكمال نقصا والمدح ذما
مسئلة التعظيم لغير الله — انتهى. ومن تلك المسائل مسئلة التعظيم
لغير الله تعالى قال قوم التعظيم لغير الله
شرك او كفر او بدعة على اختلاف في آرائهم
قال المؤلف وفقه ربه لما يحب ويرضى
اني الفت كتابا قبل هذا باعوام وسميته
[1] بالاصول الاربعة في ترديد الوهابية وبوبته
وفتحت فيه بابا عنوانه الباب
الاول في جواز التعظيم لغير الله تعالى
وشاع الكتاب بعد الطبع ووصل
الى من يدعي العلم من جماعتهم فقال
غير الله يدخل فيه الاصنام والاوثان
وتعظيم الاصنام شرك.
اقول عجيب انه انا ما قلت

انسان کے بغیر اگر کوئی (مثلاً فرشتہ) نورانیت سے موصوف ہو جائے تو اس کی یہ تعریف شمار نہ ہوگی کیونکہ نورانیت اس میں فطرتی ہوتی ہے۔ بعد میں حاصل نہیں ہوتی چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کو نور بنایا تو چاند نے کثیف مادہ سے نورانیت کی طرف ترقی نہیں کی بلکہ خدا نے اسے نور ہی پیدا کیا ہے تو اس کی نورانیت فطرتی ہوگی جس میں نہ کوئی تعریف نکلتی ہے اور نہ قابل قدر روح پیدا ہوتی ہے خدا نے فرمایا ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے پس ایسی بشریت جو نفسانی کدورتوں سے صاف ہو ایک بڑی تعریف اور مدح ہے اور بہت بڑا کمال ہے۔ مجھے اپنے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ کیسے کمال کو نقص جانتے ہیں اور کس طرح مدح کو مذمت سمجھ رہے ہیں (انتہی) مختلف فیہ مسائل میں سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہے چند لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے یا کفر ہے یا بدعت ہے۔ اس میں ان کی رائیں مختلف ہیں مؤلف رسالہ ہذا کہتا ہے (خدا اسے اس امر کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے) کہ میں اس رسالہ سے پہلے کئی سال ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں جس کا نام ہے "الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ" جس میں کئی باب ہیں اور ایک خاص باب اس عنوان سے لکھا ہے کہ "باب اول غیر اللہ کی تعظیم میں" اور وہ کتاب چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے اور جماعت مخالفین کے اہل علم کے پاس پہنچ بھی چکی ہے کہ تاہم مخالف کہتا ہے کہ غیر اللہ میں بت اور مورتیاں بھی داخل ہیں اسلئے تم انکی بھی تعظیم کیا کرو۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ بتوں کی تعظیم شرک ہے اور جواب میں میں کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں کہتا

(1) طبع في استنبول سنة ١٤١٢ هـ. [١٩٩١ م.] مرة ثانية

جميع غير الله حتى يدخل فيه الاصنام
اما قال تعالى ان الانسان ليطغى
ان راه استغنى الا تدخل الانبياء عليهم
السلام فى نوع الانسان وكيف يحكم
عليهم بالطغيان اما قال تعالى يا
بنى ادم خذوا زينتكم عند كل مسجد
الا تدخل الكفار فى بنى ادم وكيف يكون
زينتهم عند كل مسجد وامثال ذلك
كثير فى القرآن كما فى قوله تعالى قتل
الانسان ما اكفره وغيره ذلك فان
دخل الاصنام فى عموم غير الله يدخل
الانبياء المعصومون فى الطغيان والكفار
فى المساجد بزعمهم فما كان جوابهم
كان جوابنا نعم بعض غير الله الذى
امر الله بتعظيمه يجب تعظيمه اما
قال الله تعالى ومن يعظم شعائر الله
فانها من تقوى القلوب والصفا و
المروة من شعائر الله قال الله
تعالى ان الصفا والمروة من
شعائر الله وهما جبلان بقرب
الحرم المكى وقال تعالى والبدن
جعلناها لكم من شعائر
الله والمزدلفة والمنى
من شعائر الله قال الله

کہ جمیع غیر اللہ قابلِ تعظیم ہیں تاکہ ہمیں بت بھی شامل
ہوں کیا خدا تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ انسان سرکشی
کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خود مالدار ہے تو کیا انبیاء
علیہم السلام نوع انسانی میں داخل نہیں ہیں؟ اگر
ہیں تو انپر سرکشی کا حکم کیسے صحیح ہوگا۔ خدا نے یہ
بھی کہا ہے کہ اے بنی آدم ہر مسجد اور نماز کے وقت
اپنی زینت حاصل کرو تو کیا کفار بنی آدم میں داخل
نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ہر ایک نماز میں انکی زینت کیسے
ہوگی۔ غرضیکہ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں
چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ انسان
بڑا کافر ہے جس سے مراد تمام انسان نہیں۔ اس کے
سوا اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں پس اگر غیر اللہ کے عام
لفظ میں بت داخل ہیں تو انبیائے معصوم بھی طغیان
میں داخل کیے جائینگے اور کفار بھی انکے خیال میں داخل
صلوٰۃ ہوں گے تو جو جواب تم دو گے وہی جواب ہم دینگے
مگر ہاں بعض غیر اللہ وہ بھی ہیں جن کی تعظیم کا حکم خود خدا
نے دیا ہے اسلئے انکی تعظیم واجب ہوگی۔ کیا خدا نے
یوں نہیں کہا کہ جو خداوندی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے تو
تعظیم انکے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ کوہ صفا و
کوہ مروہ بھی اللہ کی یادگار ہیں۔ چنانچہ صاف لفظوں میں
خدا نے کہا ہے کہ بیشک صفا و مروہ اللہ کے شعائر میں سے
ہیں جو کہ حرم مکہ کے قریب دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں
یہ بھی کہا ہے کہ بڑے جانور (اونٹ اور گائے) خدا نے
تمہارے لیے اپنی یادگار بنائے ہیں مزدلفہ اور منیٰ بھی شعائر اللہ

تعالیٰ فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستلم الحجر الاسود الیس فی الاستلام معنی التعظیم و امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتعظیم الوالدین قال اللہ تعالیٰ فی حقہما ولا تقل لہما اف ولا تنہرہما وقل لہما قولا کریما وقال ان اشکرلی و لوالدیک الیس فی الآیتین الامر بتعظیم الوالدین قال اللہ تعالیٰ لا یمسہ الا المطہرون الیس فیہ تعظیم القرآن قال اللہ تعالیٰ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین الیس فی الآیۃ التعظیم للرسول وللمؤمنین قال اللہ تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون الیس فی الآیۃ التعظیم لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی غیر ذلک من الآیات والاحادیث فی ہذا الباب فان سلمتم وجوب التعظیم لہؤلاء المذکورین فما معنی قولکم التعظیم لغیر اللہ حرام

ہیں۔ چنانچہ خدا نے کہا ہے کہ مشعر حرام (مزدلفہ ومنیٰ) میں اللہ کا ذکر کرو۔ ارے یہ تو بتاؤ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کو کیا نہیں بوسہ دیا کرتے تھے؟ تو کیا بوسہ دینے میں تعظیم نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود والدین کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور خدا تعالیٰ نے بھی کہا ہے کہ اے انسان تو اپنے ماں باپ کو ان کے جواب میں یہ بھی نہ کہو کہ (اُف) میں تمہارے کہنے سے بیزار ہوں بلکہ ان پر آواز نہ کسنا اور ان سے بات کہنی ہو تو انسانیت سے کہنا پھر کہا کہ اے انسان میرا شکرگزار اور اپنے ماں باپ کا بھی شکریہ ادا کر۔ اب بتاؤ کہ کیا ان دونوں آیتوں میں والدین کی تعظیم کا حکم نہیں؟ یہ بھی کہا ہے کہ قرآن مجید کو پاک ہی ہاتھ لگائیں تو کیا اس میں قرآن کی تعظیم نہیں؟ پھر کہا کہ اللہ اور رسول اور مومنین کے لئے عزت ہے تو کیا اس آیت میں رسول اور مومنین کی تعظیم نہیں بتائی گئی؟ پھر خدا تعالیٰ نے کہا کہ نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور کوئی بات نبی سے کہنی ہو تو گستاخی سے اونچی آواز کیساتھ مت کہو جس طرح کہ تم ایک دوسرے کو کہہ لیتے ہو۔ ورنہ تمہارے نیک عمل سب ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے گا۔ تو کیا اس آیت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مذکور نہیں؟ اس قسم کی اور بھی بہت آیات ہیں اور احادیث بھی اس مضمون کے متعلق بہت ہیں پس اگر تم مذکورۃ الصدر مخلوق کی تعظیم کا وجوب تسلیم کرتے ہو تو تمہارے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہوگا کہ غیر اللہ کی تعظیم

وان انكرتم فما معنى الايات
المذكورة وما معنى قوله تعالى و
تعزروه وتوقروه وان اصررتم على
ضلالتكم فنقول كما قال الله تعالى
ارأيت من اتخذ الهه هواه و
اضله الله على علم وختم على سمعه و
قلبه وجعل على بصره غشاوة فمن
يهديه من بعد الله فاذا كانت الاماكن
والجبال والدواب واجب التعظيم
بحكم القران فلا شك ان اولياء
الله تعالى احياءً او امواتاً من
عباد الله المؤمنين الصالحين كلهم
واجب التعظيم وقد مر ما قال
الله تعالى ولله العزة ولرسوله
وللمؤمنين اليس الاولياء و
الصلحاء داخلين في زمرة المؤمنين
ومن الذي قال لئن رجعنا الى
المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل
ارادوا تحقير من عظمه الله تعالى
فرد الله عليهم بقوله ولله العزة
ولرسوله وللمؤمنين
وتحقير من عظمه الله تعالى
ديدان اي فريق
من المسلمين آمنا سمعوا

حرام ہوتی ہے۔ بالفرض اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو آپ
ہمیں آیات مذکورہ بالا کا مطلب سمجھا دیں کہ کیا ہے؟ اور
اس آیت کا مطلب بھی بتا دیں کہ کیا ہے۔ وہ آیت یہ
ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی عزت و توقیر کیا کرو اور اگر تم اپنی
گمراہی پر ہی اڑے رہے تو ہم تمہارے متعلق یہ آیت
پڑھ دینگے کہ کیا تم ایسے لوگ نہیں دیکھتے ہو جو اپنے
پرستی کرتے ہیں؟ اور خدا نے دیدہ دانستہ ان کو گمراہ کر دیا
ہے اور ان کے کان اور قلب پر مہر کر دی ہے اور آنکھ پر
پردہ ڈال دیا ہے تو اب خدا کے بعد ان کو کون ہدایت
دے سکتا ہے؟ پس جب مقامات مقدسہ اور پہاڑ اور
جانور بھی قرآنی حکم سے واجب التعظیم ٹھیرے۔ . . . .
تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اولیاء زندہ ہوں یا مردہ
وہ سارے خدا کے نیک ایماندار بندے ہیں اور وہ
واجب التعظیم ہیں چنانچہ میں پہلے یہ آیت لکھ چکا ہوں
کہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور رسول کے
ماننے والوں کی۔ تو کیا اولیاء اللہ اور صلحاء اور مومنین
کی جماعت میں داخل نہیں؟ بھلا یہ بتاؤ کس نے کہا
تھا کہ اگر ہم مدینہ میں واپس آئینگے تو صاحب عزت ذلیل
کو وہاں سے نکال دیگا؟ میں بتاؤں، یہ منافقوں نے
کہا تھا اور وہ اس سے رسول علیہ السلام کی توہین چاہتے
تھے جس کو خدا نے واجب التعظیم قرار دیا تھا، اسلئے خدا
نے انکی تردید میں کہا کہ عزت تو اللہ اور رسول کی ہے اور
مومنین بھی ذی عزت ہیں۔ اب دیکھیں کون نکلتا ہے؟
سچ بتاؤ جس کو خدا واجب التعظیم ٹھیرائے اس کی توہین کرنا

قوله صلى الله عليه وسلم للانصار
حين جاء سعد بن معاذ رضي
الله عنه قوموا لسيدكم فأمر
بالقيام تعظيما له فان قيل الأمر
بالقيام كان لنزوله عن الدابة
لانه كان مريضا قلنا سوق الكلام
يشهد بخلاف ذلك لانه لو كان
المراد بالامر نزوله عن الدابة
فالمناسب ان يقول قم يا فلان
وانزل سعدا او قم يا فلان ويا
فلان وانزلا سعدا لكن الامر
بلفظ الجمع ولفظ السيد في
حقه رضي الله عنه ينادي باعلى
الصوت ان المراد بأمر قوموا لسيدكم
التعظيم والتوقير اما علموا ان
الصحابة رضي الله عنهم كانوا خاشعين
في مجلسه الشريف كان على رؤسهم
الطير والله يهدي من يشاء الى صراط
مستقيم - ومن تلك المسائل مسئلة المسئلة سماع الموتى
سماع الموتى قالوا الموتى لا يسمعون
مستدلين بقوله تعالى انك
لا تسمع الموتى وقوله تعالى
وما انت بمسمع من في القبور
قلنا المراد بالموتى ومن في القبور

کس مسلمان کا کام ہے. کیا تم مخالفین نے رسول علیہ السلام
کا یہ حکم بھی نہیں سنا کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
لڑائی سے واپس آئے تھے تو آپ نے انصار سے کہا تھا کہ اپنے
سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کرو تو یہ قیام تعظیمی تھا. اگر یہ
سوال کیا جائے کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ آپ بیمار تھے تاکہ گھوڑے
سے آپکو آرام سے اتاریں. ورنہ تعظیم کے لئے یہ حکم نہ تھا. تو
ہم کہیں گے کہ اس واقعہ کے متعلق سلسلۂ کلام اس کے
خلاف ہے. کیونکہ اگر گھوڑے پر سے اتارنا مراد ہوتا تو یوں
کہنا مناسب تھا کہ ارے فلاں آدمی اٹھو اور ان کو
گھوڑے سے اتار دو. یا یوں حکم ہوتا کہ ارے فلاں و فلاں
تم دونو اٹھو اور سعد کو گھوڑے سے اتارو. مگر یہاں تو
جماعت کو مخاطب کیا ہے اور سعدؓ کو سید کہا ہے اور
یہ سید کا لفظ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں آواز بلند پکارتا
ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے
ہو جاؤ. اس سے مراد حضرت سعدؓ کی تعظیم و توقیر تھی
پھر کیا مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کے دربار
میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ
گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں. اب خدا
جسے چاہے راہ راست کی ہدایت کرے. مختلف فیہ
مسائل میں سے سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی ہے. مخالف کہتے
ہیں کہ مُردے نہیں سنتے اور ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خدا نے
حضور علیہ السلام سے کہا ہے کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے
اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے
جو قبروں میں پڑے ہیں. اور ہم جواب میں یوں کہتے ہیں

الکفار والمراد من السماع
سماع قبول والدلیل علی ان المراد
من السماع سماع قبول ان الکفار
ما کان فی اذانہم صمم حتی لا یسمعوا
کلامہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہم وان
کانوا یسمعون فی الظاہر لکنہم کانوا
محرومین من سمع القبول ومن ھذا
الباب قول المصلی سمع اللہ لمن حمدہ
فان المراد من السماع سماع قبول کما
یقال نادیت الامیر بحاجتی فما سمعہ
یعنی ما سمعہ بسمع القبول فلیس فی
الآیتین دلیل علی عدم سماع الموتیٰ
بل فیہما دلیل علی سماع الموتیٰ لان
المشبہ وھم الکفار یسمعون فکیف
یشتبہ بمن لا یسمعون فکما ان الکفار
یسمعون فی الظاہر کذالک الموتیٰ یسمعون
فی الظاہر واما سماع القبول فالکفار
محرومون عنہ للانکار القلبی والموتیٰ
محرومون عنہ لعدم قدرتہم علی الجواب
فکانہم ما سمعوا ومعنی الآیتین
انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع من
فی القبور انک لا تسمعہم بل اللہ تعالیٰ
یسمعہم علی حد قولہ تعالیٰ انک لا تہدی
من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء

کہ مُردوں اور قبر والوں سے مراد یہاں کفار ہیں اور
سُننے سے مراد تصدیقی سننا ہے اور اس امر کا ثبوت
کہ یہاں سُننے سے مراد تصدیقی سننا ہے، یہ ہے کہ کفار
کے کانوں میں بہرا پن نہ تھا کہ حضور علیہ السلام کا کلام نہ سُن
سکتے۔ پس وہ اگرچہ بظاہر سنتے تھے لیکن تصدیقی سننے
سے محروم تھے۔ اسی محاورہ کے مطابق ہے نمازی کا یوں
کہنا کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہ خدا اس کی بات مان لیتا ہے
جو اسکی تعریف کرتا ہے۔ یہاں بھی تصدیقی سُننا مراد ہے
اسی طرح یہ محاورہ بھی ہے کہ مَیں نے امیر کو اپنی حاجت
روائی کے لئے پکارا، مگر اس نے ایک نہ سُنی، یعنی میری
پکار کو منظور نہیں کیا۔ پس دونوں آیتوں میں مُردوں کے
نہ سننے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ان میں سماع موتیٰ کا
ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کو مُردوں سے مساوی
مانا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سنتے تھے اور وہ نہیں سنتے تھے
تو یہ مساوات کیسے ہوگی؟ تشبیہ تب ہی صحیح ہوگی
کہ دونو بظاہر سنتے تسلیم کئے جائیں سو حقیقت یہ ہے
کہ جس طرح کفار بظاہر سنتے ہیں تو مُردے بھی بظاہر سنتے
ہیں مگر تصدیقی سننا دونوں میں نہیں کیونکہ کفار انکار
قلبی کی وجہ سے اس سے محروم ہیں اور مُردے اس سے
اس لئے محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو گویا
وہ بھی نہیں سنتے۔ اب دونو آیت کا مفہوم یُوں ہے
کہ آپ تو ان کو نہیں سنا سکتے۔ مگر خدا ان کو سنا دیگا
جیسا کہ ارشاد ہے کہ آپ تو اسے ہدایت نہیں دے
سکتے جسے آپ پسند کریں لیکن خدا جسے چاہے ہدایت

وقد نص فی القرآن ان اللہ یسمع من
یشاء وما انت بمسمع من فی القبور
ثم رجعنا الی الکلام فی اصل السماع
فنقول ان السماع والنظر والکلام
والبطش والمشی وجمیع الافعال
الارادیۃ وظیفۃ الروح بمعاونۃ
الحواس والجوارح مادام فی حالۃ الحیوۃ
وبدون معاونۃ الحواس والجوارح بعد
الممات ومصداق ذالک حالۃ النوم
فان النوم یعطل فیہ الحواس الظاہرۃ
والباطنۃ والجوارح من العمل والروح
یری ویسمع وینظر ویتکلم ویبطش
ویلتذ بالمستلذات ویألم بالمؤلمات
فارواح الاحیاء مع حبسہا فی البدن
تفعل جمیع ما ذکر فی النوم فارواح
الاموات المطلقات من حبس البدن
کیف لا تقدر علی ما تقدر
علیہ فی حالۃ حبس البدن
فلذا قیل النوم اخ الموت نعم
ارواح الکفار المحبوسین
فی الدرکات محرومون عن
الادراکات مشغولون بنتائج
سوء اعمالہم وکذا الفساق
ان لم یرحمہم ربہم

دے دیتا ہے اور قرآن مجید میں اس کی تصریح بھی
موجود ہے کہ خدا جسے چاہے سنا دیتا ہے اور آپ اہل
قبور کو نہیں سنا سکتے۔ اب ہم اصل مسئلہ سماع موتے
کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سننا، دیکھنا،
بولنا، حملہ کرنا، چلنا اور تمام خود اختیاری فعل روح
انسانی کا فرض ہیں کہ جب تک انسان زندہ رہے
اس کی روح حواس اور بیرونی اعضا کی امداد سے وہ
فرائض بہم پہنچائے اور موت کے بعد اس کا فرض ہے
کہ بغیر امداد حواس اور بیرونی اعضا کے یہ سب کام کرے
اس کی مثال نیند ہے کیونکہ نیند کی حالت میں تمام حواس
معطل ہو جاتے ہیں، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی، اور
بیرونی اعضا بھی کام سے رہ جاتے ہیں مگر روح
حسب دستور چلتی ہے اور سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے
حملہ کرتی ہے، لذیذ چیزوں سے لذت بھی اٹھاتی ہے
اور موذی اشیاء سے تکلیف بھی پاتی ہے۔ پس ثابت
ہوا کہ زندہ کی روح بحالت نوم اگرچہ جسم میں مقید
ہے سب کچھ کر لیتی ہے تو مردہ کی روح جو جسمانی قید
سے رہا ہو چکی ہے کیسے ان افعال پر قادر نہ ہوگی۔
جن پر کہ بقید جسمانی قادر تھی۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے
کہ نیند موت کے برابر ہے اور ارواح کفار کے جو
دوزخ کے قیدخانوں میں قید ہیں وہ ان امور کے دریافت
کرنے سے محروم رہتے ہیں اور اپنی بدعمل کے بدنتائج
میں مبتلا رہتے ہیں اسی طرح گنہ گاروں کی روحیں
بھی جب تک کہ خدا ان پر رحم نہیں کرتا۔ اپنے عذاب

مسئلة التوسل بارواح الصلحاء

ومن تلك المسائل مسئلة التوسل
عند الله تعالى بارواح الصلحاء
من عباده احياءً وامواتًا وهذه
المسئلة لها فروع الفرع الاوّل
بان ينادى ربّه ويتوسل
بروح الصالح من عباده المقرب
لبابه نحو قولنا اللّهم انى اتوسل
اليك بروح سيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم او بروح الشيخ
الفلانى وهذا النوع جائز لا غبار
عليه عند كافة الامة المرحومة
الّا من اعمى الله قلبه وختم على
سمعه وبصره وقد هدانا الله
تعالى الى هذا بقوله يا ايها الذين
امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه
الوسيلة فلفظه اتقوا الله قبل
الامر بابتغاء الوسيلة تشير الى
الحث واللزوم بابتغاء الوسيلة الى
حضرة قدسه تعالى وتعليم الادب
لعباده بتقديم الوسيلة لان طلب
المسئول من اكابر الوقت
غالبًا لا يكون بدون تقديم
الوسيلة من اهداء ايتاء وشفاعة
مقرب عنده كذلك طلب

میں مصروف و مبتلا رہتے ہیں متنازع فیہ مسائل
میں سے ایک توسّل کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے
نیک بندوں کی روحوں کا خواہ وہ زندہ ہوں یا
مُردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس
مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ انسان اپنے خدا کو پکارے
اور بارگاہِ الٰہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک
کو اپنا وسیلہ بنائے مثلاً یوں کہے کہ یا اللہ میں تیری
بارگاہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
روح مبارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یُوں کہے کہ فلاں
شیخ کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلا شبہ جائز
ہے تمام اُمت محمدیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف
ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے
کان اور آنکھ پر مُہر کر دی ہے اور ہمیں خدائے تعالےٰ
نے اس آیت سے ہدایت کا راستہ بتا دیا ہے کہ اے لوگو
جو ایمان لائے ہو، خدا کے عذاب سے ڈرو اور اس کی
طرف وسیلۂ نجات طلب کرو۔ اس آیت میں وسیلہ
طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے
ڈرو۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ
میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے اور اسے
واجب قرار دیا گیا ہے، اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے
سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر
سے عموماً اپنی حاجت طلب کرنا یوں ہی ہوتا ہے کہ ہدیہ
یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرب کی سفارش
پیش کی جائے جس کی عزت اس بزرگ کے دل میں ہو

المسئول من الملك العلام لا یصلح
الا بتقدیم الوسیلة واوثق الذرائع
واحسن الهدایا الی الغنی المنعام
التوسل بارواح الصالحین
من عباده قالوا التوسل المأمور
فی القرآن انما یکون بالاعمال
لا بالابدان مستدلین بحدیث
الثلاثة الذین حبسوا فی الغار
قلنا کما یجوز التوسل بالاعمال
کذلك یجوز بالابدان کما
توسّل سیّدنا الفاروق
رضی اللہ عنه عام قحط المطر
بسیّدنا العباس رضی اللہ عنه
ولانّ التوسّل بالاشخاص
حقیقة هو التوسل باعمال
ذلك الشخص لا بجسمه
الظاهر فصار التوسل
بالاشخاص توسلاً بالاعمال-
الفرع الثانی من التوسل
بان ینادی الی روح احد
من عباد اللہ الصالحین بان
یقول یا سیّدی رسول اللہ
اغثنی او یا سیّدی الشیخ
الفلانی امددنی ففیه تفصیل

علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار میں
بھی اپنی حاجت طلب کرنا سوائے وسیلہ پیش کرنے کے
اور کوئی پختہ ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ اور
اس سخی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تحفہ یہی ہے
کہ ارواح عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے مگر
مخالف کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن
مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمال صالحہ ہی ہیں
کسی کی شخصیت وسیلہ نہیں ہو سکتی اور ثبوت میں وہ
حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے
حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے
اعمال حسنہ کو پیش کرکے دعا مانگی تھی اور وہ دعا منظور
بھی ہوگئی تھی اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ توسل جس طرح اعمال
سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی
صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں
قحط پڑ گیا تھا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ
سے توسّل کیا تھا۔ درحقیقت کسی نیک بندے کا توسّل
پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک
عمل پیش کیے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہری جسم پیش نہیں
کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی توسّل بھی توسّل بالاعمال
بن جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے
نیک بندوں میں سے کسی ایک کی روح کو پکارے اور
یوں کہے کہ اے میرے مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
میری فریاد رسی فرمائیے یا یوں کہے کہ اے میرے آقا
فلاں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اس کی تشریح یوں ہے

ان كان مراد القائل المجوز اعني نداءه للعبد الصالح بطريق المجاز ويعلم ان المعطي والمانع هو الله تعالى والعبد الصالح وسيلة الى حضرة قدسه ويعد نفسه احقر من ان يناجي ربه فذلك جائز لان الاعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى فالله تعالى هو المعطي والنبي صلى الله عليه وسلم هو القاسم وقد جرت العادة للفقراء والمحتاجين باظهار فقرهم للقاسم لا المعطي وتتفرع على هذا المبحث

جواز نداء الغائب

مسئلة جواز نداء الغائب وعدم جوازه قالوا لا يجوز النداء للغائب ومن اعتقده فقد اشرك بالله تعالى قلنا ما مرادهم بالغائب الغائب من النظر ام الغائب عن القلب فان كان مرادهم الغائب عن النظر فالله تعالى غائب عن النظر قال الله تعالى لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار فلا يجوز لاحدهم ان يقول يا الله وان كان مرادهم الغائب عن القلب فالله تعالى حاضر في قلب كل مؤمن به وليس بغائب ورسول الله صلى الله عليه وسلم ايضا حاضر في قلب

کہ اگر اس کی مراد مجاز ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا ہے کہ خدا ہی دیتا ہے یا روکتا ہے مگر عبد صالح درمیان میں وسیلہ ہے کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرب ہے اور میں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی ہے اور انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے خدا دینے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنیوالے کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں اور اصل سخی کی خدمت میں پیش نہیں کرتے۔ اسی بحث سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ غائب کو پکارنا صحیح ہے یا ناجائز؟ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے کہ غائب کو پکارا جائے اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ غائب کے لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ آیا وہ آدمی جو نظر سے غائب ہو یا دل سے غائب ہو؟ اگر تم نظر سے غائب مراد لیتے ہو تو خدا بھی نظر سے غائب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ خدا کو نظر دریافت نہیں کر سکتی اور وہ بندوں کی نظر کو دریافت کر لیتا ہے۔ تو کسی مخالف کو بھی یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ کہے اے اللہ" اگر مخالف کی مراد اس لفظ سے وہ غائب ہے جو دل سے پوشیدہ ہو تو خدا تعالیٰ تو ہر ایک کے قلب میں حاضر ہوتا ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ایک مومن کے قلب میں

كل مؤمن به وليس بغائب فهو
ينادي الى من في قلبه وحاضر
القلب اعلى واحلى من حاضر النظر
فما بقي للغائب محل يمنعون
النداء اليه واما قولهم
فالله تعالى يسمع والنبي صلى الله
عليه وسلم لا يسمع ففيه بحث
ليس هذا محل نشره وقد
سبق في مسئلة سماع الموتى
نبذا منه ولئن سلمنا ان النبي
صلى الله عليه وسلم لا يسمع
فنقول فالله تعالى يسمع قول القائل
يارسول الله اغثني اوما سمع لا
سبيل الى الثاني فاذا سمع من عبده
النداء لحبيبه وصفيه واستغاثته
برسوله الذي هو بالمومنين رؤف
رحيم اليس مقتضى كرمه انجاح مطلوبه
فان قلت نعم فهو المطلوب وان قلت
لا فعليك بالبرهان وايضا في الحديث
الذي اخرجه البخاري في صحيحه عن ابي هريرة
انه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان الله تعالى قال من عادى لي وليا
فقد آذنته بالحرب وما
تقرب الى عبد بشئ

حاضر ہوتے ہیں اور غائب نہیں ہوتے پس مومن بھی
اسی کو پکارتا ہے جو اس کے دل میں حاضر ہوتا ہے اور
دل کا حاضر نظر کے حاضر سے بالاتر اور مرغوب تر ہوتا ہے
تو کوئی ایسا غائب نہ رہا جس کو پکارنا وہ ناجائز سمجھتے
ہیں اور مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا تو سنتا ہے مگر رسولِ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے، قابلِ
غور ہے۔ یہ مقام اس پر بحث کرنے کا نہیں اور مسئلہ
سماعِ موتیٰ میں اس کی کچھ تفصیل گذر بھی چکی ہے اگر
بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضور علیہ السلام کسی کی
پکار نہیں سنتے تو ہم پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ یارسول اللہ
اغثنی کا فقرہ خدا سنتا ہے یا نہیں؟ یہ تو ناممکن ہے
کہ خدا نہ سنے۔ تو جب وہ سنتا ہے کہ اس کا ایک بندہ
اس کے حبیبؐ اور برگزیدہ نبی علیہ السلام کو پکار رہا ہے
اور اس کے اس رسول علیہ السلام سے فریاد کر رہا
ہے جو مومنین پر کمال طور پر رحم دل ہے تو کیا خدا کا
فضل یہ روا نہ رکھیگا کہ اس کی مراد پوری کرے۔ بس
اگر تم اسے مانتے ہو تو ہمارا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر
انکار کرتے ہو تو کوئی صحیح دلیل پیش کرو۔ دیکھو
ایک حدیث میں آیا ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب
میں درج کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں کہ
حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ
جو شخص میرے مقرب دوست سے عداوت کرے،
میں اسے لڑائی کا اعلان کروں گا۔ اور میری بارگاہ
میں انسان کے لئے تقرب کا وسیلہ اس سے بڑھ کر

احب الی مما افترضتہ علیہ ولا یزال
العبد یتقرب الی بالنوافل حتی
احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی
یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ الحدیث
وای اقرب الیہ تعالیٰ من حبیبہ
صلی اللہ علیہ وسلم ثم اذا سمع بسمعہ
تعالیٰ وبصر ببصرہ تعالیٰ فکیف
لا یسمع من ینادیہ من قریب او
بعید فان ذلک القرب والبعد انما
ھو باعتبارنا لا باعتبارہ صلی اللہ
علیہ وسلم وھذا مشاھد لمن اکتحلت
عینا بصیرتہ بالنور الالٰھی انتھی۔

مسئلۃ زیارۃ قبور الاولیاء

ومن تلک المسائل مسئلۃ زیارۃ
قبور الانبیاء والاولیاء قالوا
السفر لزیارۃ القبور وان کان
قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بدعۃ او شرک باختلاف اقوالھم
وما ادری کیف یجترؤن علی شرک
جمیع الامۃ من لدن زمنہ صلی
اللہ علیہ وسلم الی ھذا الوقت و
قد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لا یجتمع امتی علی الضلالۃ
وید اللہ علی الجماعۃ ومعلوم ان
من قال لاخیہ المؤمن یا کافر

نہیں کہ جو میرے فرائض میں ان کو وہ ادا کرے۔ اسی طرح میرا بندہ نوافل سے میرا مقرب بنتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں خود اس کی قوتِ سماعت بن جاتا ہوں تو وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ بتاؤ خدا کا بڑا مقرب اس کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر کون ہے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام خدائی سماعت سے سنتے ہیں اور اسی کی بصارت سے دیکھتے ہیں تو پکارنے والا خواہ قریب ہو یا بعید، آپ اس کی پکار کیوں نہ سنیں گے؟ کیونکہ قرب و بُعد کا فرق تو ہمارے متعلق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ وہ شخص کر سکتا ہے جس کی دونوں آنکھوں میں نورِ الٰہی کا سُرمہ لگا ہوا ہو۔ انتہی

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قبور انبیاء و اولیاء کی زیارت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ وہ قبرِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو۔ بعض کہتے ہیں وہ شرک ہے۔ بہرحال ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے تمام امت محمدیہ کو مشرک بنانے کی جرأت کر لیتے ہیں جو عہدِ رسالت سے لیکر اب تک چلی آئی ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت گمراہی پر متفق نہ ہو گی اور اس جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص کسی مومن کو یہ لفظ کہے "اے کافر"

فقد باء بہ احدھما فالی اللہ المشتکے
فقطع النظر من الاحادیث فی باب
زیارۃ القبور واقوال العلماء نقول
اما قال اللہ تعالیٰ ولو انھم اذ ظلموا
انفسھم جاؤك فاستغفروا اللہ و
استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ
توابا رحیما فھل قید سبحانہ تعالیٰ
مجیئھم فی حال الحیوٰۃ کما اولوھا وھل
قید مجیئھم من قریب او بعید کما زعموا
بل ھی عام الدلالۃ فی حیاتہ و بعد مماتہ
من قریب او بعید و اجمع الامۃ قدیما
وحدیثا بجواز زیارۃ القبور و
ترغیب زیارۃ قبور الصلحاء ففی
زیارۃ القبور نفع للمیت بالدعاء لہ
بالمغفرۃ واھداء ثواب القرأۃ لروحہ
ونفع للزائر بالتیقظ والتھیئ للموت
واستشفاع ارواح الصلحاء فی حق
زائریھم ولا عبرۃ بفعل بعض الجھلاء
من السجود لقبور الاولیاء او
الطواف بالقبور فان کلا منھا
حرام واللازم علی اھل
البصیرۃ ان یعلموھم
اداب الزیارۃ ولا یمنعوھم
من اصل الزیارۃ الا تری

توان دونوں میں سے ایک ضرور کفر لیکر پڑتا ہے (الی اللہ المشتکے)
اس سے قطع نظر کر کے کہ زیارت قبور کے متعلق کئی ایک
احادیث وارد ہیں اور اہل علم کے تحقیقی قول بھی موجود ہیں
ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ اے نبی جن لوگوں
نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا اگر وہ آپکے پاس آجاتے اور
اللہ سے معافی مانگتے اور آپ خدا کے رسول بھی ان کے لئے
مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول
کرنے والا پاتے۔ اب تم بتاؤ کیا اس آیت میں خدا نے
رسول کی زندگی کی شرط لگائی ہے؟ جیسا کہ تم اس کی
تاویل کرتے ہو۔ یا یہ شرط لگائی ہے کہ آنے والا دور ہو یا
نزدیک جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ نہیں نہیں۔ یہ آیت
عام مفہوم رکھتی ہے۔ خواہ زندگی میں کوئی آئے یا آپکی
وفات کے بعد۔ پھر وہ خواہ قریب ہو یا بعید۔ قدیم اور
موجودہ اُمت کا اتفاق ہے کہ زیارت قبور جائز ہے اور
قبور صلحاء کی ترغیب دینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ زیارت
قبور میں میت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے (کیونکہ اس
کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور قرأۃ قرآن کا ثواب
دیا جاتا ہے اس کی روح کو) اور زائر کو بھی فائدہ ہوتا
ہے کہ وہ ہوشیار ہو جاتا ہے اور موت کی تیاری کرتا ہے
اور خدا کے نیک بندوں کی روحیں بارگاہ الٰہی میں اسکی
شفاعت کرتی ہیں۔ مگر جو کچھ جاہل وہاں جاکر کرتے ہیں
مثلاً قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا۔ تو وہ بہر حال حرام
ہوتا ہے اور اہل علم کا فرض ہے کہ ان کو آداب زیارت
کی تعلیم دیں اور اصل زیارت سے ممانعت نہ کریں کیا

لو ان ضريرا فاقد البصر دخل مسجدا
وصلى الى غير القبلة فاللازم على
اهل البصيرة ان يعلموه و يحولوا
وجهه نحو القبلة او يمنعوه من الصلوٰة
اصلا واما استدلالهم بحديث لا
تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد
فانه مخصوص بالمساجد كما ورد فى
بعض روايات الحديث لفظ المسجد
بقوله عليه الصلوٰة والسلام لا
تشدوا الرحال الى مسجد الا الى
ثلاثة مساجد فان شد الرحال
الى التجارات والغزوات ونحوها
مامور الشرع الشريف ولا ينكره
الا الجاحد الغبى قال الله تعالى و
اتخذوا من مقام ابراهيم مصلى و
مقام ابراهيم من اثار الصالحين
فاذا كانت الاثار مامورا بالصلوٰة
فيها فما ظنك بضرائحهم الشريفة
اذا لم تكن القبور محاذية القبلة.
ومن تلك المسائل مسئلة الشفاعة

مسئلة الشفاعة

قالوا الشفاعة غير ممكنة فانها لا تكون
الا بان يكون الشفيع وجيها عند الله
تعالى او يكون محبوبا لله تعالى وهذان
محالان فى حق الله تعالى والثالث الشفاعة

تم نہیں دیکھتے کہ جب نابینا مسجد میں آکر نماز پڑھتا ہے
اور قبلہ رُخ نہیں ہوتا۔ تو دیکھنے والے کا کیا فرض ہوتا
ہے کہ اُسے بتائے اور اس کا رُخ قبلہ کی طرف کرے
یا یہ فرض ہوگا کہ وہاں اسے نماز سے روک دیں؟ مگر
ان کی یہ دلیل کہ حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے بغیر
کسی اور مقام کی طرف سواری پر سفر نہ کیا جائے تو اس
کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مساجد سے مخصوص ہے۔
جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں مسجد کا صاف
لفظ موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ کسی مسجد
کی طرف شد رحال یعنی سفر نہ کیا جائے سوائے تین مساجد
کے اور تجارت اور جہاد وغیرہ کی طرف سفر کرنا خود شرع
شریف میں فرمایا گیا ہے جس کا انکار ہٹ دھرم بیوقوف
کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ دیکھو خدا کا حکم ہے کہ مقام
ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ اور مقام ابراہیم
صالحین کے آثار میں سے ہے۔ تو جب ایسے آثار صالحین
میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کے متعلق
تمہارا ممانعت کے لئے کیا خیال ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ
ان کے مزارات شریف نمازی کے قبلہ کی طرف نہ ہوں
متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شفاعت کا
بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ شفاعت ناممکن ہے
کیونکہ شفاعت اسی صورت میں ہوسکتی کہ شافع وجیہ
ہو۔ یا خدا کا محبوب ہو اور یہ دونو امر خدا کے یہاں
محال ہیں۔ تیسری صورت شفاعت بالاذن کی ہے
اور یہ گو نفی شفاعت کے برابر ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو

بالاذن فهي كلا شفاعة لا تكون لاهل
الكبائر ولا للمصرين على الصغائر
ولبعض الصغائر ان قارنها التوبة
والندامة فيرحمه ربه ولا يستطيع
العفو بلا سبب فياذن لمن يشاء
بشفاعته ويغفره برحمته انتهى عقيدتهم
اقول اولا لا نسلم ان شفاعة الوجيه
او المحبوب محال لان على الله تعالى الخوف
من الشفيع ولا الالم من عدم رضاء
محبوبه بل بمحض فضله وكرمه على
رسوله وخواص عباده وثانيا
ثبوت وجاهة النبي صلى الله عليه
وسلم في حضرة ربه الاعلى و
محبته له قال الله تعالى في حق
سيدنا عيسى عليه السلام وجيها
في الدنيا والاخرة ومن المقربين وقال
الله تعالى في حق سيدنا موسى عليه السلام
فبرءه الله مما قالوا وكان عند الله
وجيها فاذا كان سيدنا عيسى عليه السلام
وسيدنا موسى عليه السلام وجيهين و
من المقربين فسيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم اولى واحق
بذلك قال الله تعالى وكان
فضل الله عليك عظيما وقال تعالى

کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی نہ صغیرہ گناہ
پر اصرار کرنے والوں کے لئے ہوگی اور چند صغیرہ
گناہ والوں پر خدا خود ہی رحم کردے گا جبکہ توبہ اور
ندامت ان کے ساتھ ہوگی ۔ تو خدا بھی کسی سبب کے بغیر
ان کو معاف نہیں کریگا ۔ لیکن جسے چاہے معاف کردیگا
اور جسے چاہے گا شفاعت کی اجازت دیگا (ان کا
عقیدہ یہاں ختم ہوا) مگر میں پہلے تو یہ کہتا ہوں کہ
وجیہ اور محبوب کی شفاعت محال نہیں ہے ۔ خدا کے
نزدیک بلکہ ضروری ہے نہ اس لئے کہ خدا شفیع سے
ڈریگا اور نہ اس لئے کہ خدا اپنے محبوب کو ناراض
کرنے سے دردمند ہوگا ۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب
اور اپنے خاص بندوں پر خاص فضل و کرم کریگا ۔
(دوم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت بارگاہ
الہی میں از روئے قرآن ثابت ہے اور آپکی محبوبیت
بھی ثابت ہے ۔ ارشاد ہے کہ عیسے علیہ السلام دنیا و
آخرت میں وجیہ ہیں اور مقربین بارگاہ الہی میں سے
ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے
کہ جو الزام مخالفین دیتے تھے ۔ اس سے خدا نے آپ کو
بری کردیا اور آپ خدا کے دربار میں وجیہ تھے اور
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
وجیہ اور مقرب بارگاہ الہی ٹھیرے تو حضرت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ کے سب سے
بڑھ کر حقدار ہوں گے ۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ آپ پر
خدا کا فضل بہت بڑا ہے ۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني
يحببكم الله فاذا كان التابع له
محبوبا عند الله تعالى افلا يكون
المتبوع محبوبا عنده تعالى وقال
صلى الله تعالى عليه وسلم وانا
حبيب الله فاذا ثبت وجاهته
عند الله تعالى ومحبته
مولاه له فاي مانع من قبول
شفاعته وقال صلى الله عليه
وسلم اعطيت الشفاعة قال الله
تعالى عسى ان يبعثك ربك
مقاما محمودا واجمع المفسرين
بان المراد بالمقام المحمود هي الشفاعة
الكبرى رجعنا الى القسم الثالث
من الشفاعة فنقول اولا ان الاستغفار
وطلب المغفرة لاحد هي الشفاعة
وقد امر الله تعالى انبياءه
عليهم الصلوة والسلام
بطلب المغفرة لاممهم
قال سيدنا ابراهيم على
نبينا وعليه السلام ربنا
اغفرلي ولوالدي و
للمؤمنين يوم يقوم
الحساب وقال سيدنا

آپ فرما دیں کہ اے مومنین اگر تم خدا کے محبوب بننا
چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ تب خدا تعالیٰ
تم کو بھی اپنا محبوب بنائے گا۔ خیال کرو کہ جب
تابع محبوب الٰہی ہو تو متبوع کیوں محبوب الٰہی نہ
ہوگا۔ حالانکہ خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ میرا خطاب محبوب الٰہی ہے۔ تو جب آپ کی
وجاہت خدا کے دربار میں ثابت ہے اور خدا کی
محبت بھی ثابت ہے تو آپ کی شفاعت کے
منظور ہونے میں کیا کسر باقی ہے اور آپ نے
یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے خاص طور پر شفاعت کر
کا مرتبہ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا
ہے کہ عنقریب خدا آپکو مقام محمود پر پہنچا دیگا۔
اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام محمود
سے مراد شفاعت کبریٰ اور عام شفاعت کا
مرتبہ ہے۔ اب رہی شفاعت کی تیسری قسم تو
اس کے متعلق ہم یوں کہتے ہیں کہ شفاعت کا
مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کے لئے استغفار اور
طلب مغفرت کی جائے اور یہ ثابت ہے کہ خدا
تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا
ہوا ہے کہ اپنی اپنی امت کے لئے خدا سے مغفرت
طلب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم خداوندی حضرت
ابراہیم علیہ السلام دست بدعا ہو کر فرماتے ہیں کہ
اے ہمارے رب مجھے بخش۔ میرے والدین کو بخش
اور مومنین کو بخش جس دن کہ حساب کا محکمہ قائم ہوگا

موسیٰ علیہ السلام انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین وقال سیدنا عیسی علیہ السلام ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم فطلب لہم المغفرۃ بالطف الالفاظ و قد امر اللہ تعالیٰ حبیبہ بقولہ وصل علیہم ان صلوتک سکن لہم فہذا ھو الامر والاذن بالشفاعۃ وقال تعالے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ و استغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ فہل لاستغفار الرسل معنی الا الشفاعۃ وقال تعالے واستغفر لذنبک و للمؤمنین والمؤمنات واللہ یعلم

جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ تو ہی ہمارا سرپرست ہے ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر اور تو تمام مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے اور حضرت عیسے علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یا اللہ اگر میری اُمت کو تو عذاب کرے تو کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کردے تو یہ تیری شان کے شایان ہے کیونکہ تو عزت وحکمت کا مالک ہے دیکھو آپ نے کیسے نرم نفظوں میں مغفرت طلب کی ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ اپنی اُمت پر نماز جنازہ اور دعائے خیر کرو۔ کیونکہ آپکی دعائے خیر اُن کے لئے باعث تسکین ہے پس یہی حکم امر اور اذن بالشفاعۃ ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جب انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے پس اگر آپکے پاس آجاتے۔ اور خدا سے معافی مانگتے اور آپ بھی بحیثیت رسول اللہ ہونے کے ان کے واسطے معافی مانگتے تو وہ ضرور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے پس انبیاء علیہم السلام کے استغفار کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی اُمت کے لئے شفاعت کریں۔ چنانچہ خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی طلب کرو اور زن ومرد اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ خدا تو تمہارے

متقلبكم ومثواكم فليس الامر بالاستغفار
الا الاذن بالشفاعة بآكد الوجوه
لأن الأمر آكد من الاذن بل مدح الله
تعالى عوام المؤمنين بالاستغفار
الاخوان من المؤمنين بقوله تعالى و
الذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا
اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا
بالايمان وقال تعالى ولسوف يعطيك
ربك فترضى ووعد الله حق لايمكن
التخلف ولن يخلف الله وعده رسله
فاعتمد النبي صلى الله عليه وسلم على
وعد ربه فقال اعطيت الشفاعة
بلفظ الماضي ونقول لهم اماتقولون
في صلاتكم ربنا اغفرلي ولوالدي و
للمؤمنين يوم يقوم الحساب فمن اذن
لكم في دعاء المغفرة للوالدين و
للمؤمنين اليس هذا الدعاء شفاعة
فان قلتم اذن لنا الشارع نقول
اذن الشارع بالشفاعة لكافة المؤمنين
ولم ياذن لحبيبه وصفيه صلى الله
عليه وسلم هاتوا برهانكم
ان كنتم صادقين واما
قولهم الشفاعة لاتكون
لاهل الكبائر ولا للمصرين

حرکات وسکنات سے خوب واقف ہے پس امر
بالاستغفار ہی اذن بالشفاعۃ ہے اور اذن بھی بڑے
زور کا ہے کیونکہ امر کرنا اذن دینے سے زیادہ زوردار ہوتا ہے
صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھو کہ خدا نے ان مسلمانوں کی تعریف
بھی کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں
چنانچہ ارشاد ہے کہ جو اہل ایمان بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ
یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخشدے جو ہم سے
پہلے ایمان لا چکے ہیں پھر ارشاد ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
خدا آپکو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائینگے اور خدا کا وعدہ سچا ہے
اسمیں خلاف وعدہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس نے خود کہا ہے
کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی وعدہ
پر بھروسہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے (فعل ماضی
کے لفظوں میں) کہ مجھے شفاعت کا عطیہ دیا جا چکا ہے ہم ان سے
پوچھتے ہیں کہ اے اہل ایمان کیا تم اپنی نمازوں میں یہ دعا نہیں کیا
کرتے کہ یا اللہ مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور قیامت کے
دن مسلمانوں کو بھی بخش۔ اب بتاؤ تم کو دعائے مغفرت کیلئے
کس نے اجازت دی ہے کہ تم والدین اور مسلمانوں کیلئے دعائے
مغفرت کرتے ہو؟ یہ بھی بتاؤ کہ کیا یہی طلب مغفرت شفاعت نہیں
ہے؟ پس اگر تم یوں کہو کہ خدا نے ہمیں اجازت بخشی ہے تو ہم
پوچھیں گے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمکو تو شفاعت کی اجازت ہو تا کہ تم
اہل ایمان کے لئے طلب مغفرت کرو اور خدا نے اپنے حبیب برگزیدہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہ بخشی؟ اگر تمہارے پاس کچھ
صداقت ہے تو اس دعوی کی کوئی دلیل پیش کرو۔ اب رہا انکا
یہ قول کہ اہل کبائر کیلئے شفاعت نہ ہوگی اور نہ ان کیلئے

على الصغائر فذلك تحكم وبهتان
على الله تعالى اما قال الله تعالى
ان الله يغفر الذنوب جميعا وان الله
لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون
ذلك لمن يشاء والشفاعة العظمى
التي تكون يوم القيمة لكافة الخلق
المشار عليها بقوله تعالى عسى ان
يبعثك ربك مقاما محمودا
مختصة بسيدنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقولهم لا يشفع احد
الا باذنه مستدلين بقوله تعالى
من ذا الذي يشفع عنده الا باذنه
صحيح لا شك فيه وقد اذن الله
تعالى لرسوله صلى الله عليه وسلم
بل امره بالشفاعة بقوله تعالى و
صل عليهم ان صلوتك سكن لهم
وقوله تعالى واستغفر للمؤمنين
والمؤمنات كما مر فلذا قال
عليه الصلوة والسلام اعطيت
الشفاعة وتمام الحديث اعطيت
خمسا لم يعطهن احد قبلي
نصرت بالرعب وجعلت لي الارض
مسجدا وطهورا واحلت
لي الغنائم ولم تحل

جو گناہ صغیرہ پر مداومت کرنے میں پس ہم کہتے ہیں کہ یہ
قول خدا پر بہتان اور زبردستی کا حکم ہے۔ کیا خدا نے یوں
نہیں کہا کہ بیشک خدا تمام گناہ بخشدیتا ہے۔ ہاں خدا تعالی
یہ گناہ نہیں بخشیگا کہ اسکا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس
کے بغیر جسے چاہے، جو گناہ بھی ہوں سب بخشدیگا اور شفاعت
کبریٰ قیامت کے دن وہی ہوگی جو تمام مخلوق کی ہوگی۔ اسی
کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اے نبی خدا تعالی عنقریب
آپکو مقام محمود پر پہنچا دیگا اور یہ شفاعت کبریٰ ہمارے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی حصہ میں ہے اور آپ سے مختص ہے
پس مخالفین کا یہ کلام کہ اذن الہی کے بغیر کوئی شفاعت نہیں
کریگا اور انکا اس آیت سے دلیل پکڑنا کہ کون وہ ہے کہ بلا
اجازت خداوندی اللہ کے پاس کسی کی شفاعت کرے۔
یہ دونو امر صحیح ہیں اور ان میں ذرہ بھر شک نہیں مگر یاد
رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن بالشفاعۃ
ہو چکا ہوا ہے بلکہ اس سے بڑھکر امر بالشفاعۃ بھی نافذ ہو چکا ہے
چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ آپ ان کے لئے دعائے خیر کریں
کیونکہ آپکی دعائے خیر ان کے واسطے تسکین ہے۔ چنانچہ پہلے
گذر چکا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ زن و مرد اہل ایمان کے لئے
آپ دعائے مغفرت کریں۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے
کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا عطیہ دیا جا چکا ہے اور اس حدیث
کے باقی اجزا یہ ہیں کہ مجھے پانچ عطیے عطا ہوئے ہیں اور مجھ
سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیئے گئے۔ اول میرے رعب سے میری
امداد کیگئی ہے۔ دوم یہ کہ تمام سطح زمین میرے لئے وضو اور
نماز کی جگہ مقرر کردی گئی ہے۔ سوم خاص مجھے غنیمت کا مال حلال

لاحد قبلی واعطیت الشفاعة
وبعثت للناس عامة متفق علیه۔
واما قولهم لایستطیع تعالیٰ شانہ
العفو بلا سبب فنقول اذ لا هذا
القول اشنع من قول النصاریٰ
هل یستطیع ربك ان ینزل علینا
مائدة من السماء لان النصاریٰ
ترددوا فی الاستطاعة فجاؤا بلفظة
هل وهؤلاء تیقنوا فی عدم
الاستطاعة فقالوا لا یستطیع العفو
بلا سبب وثانیا ان العباد یستطیعون
العفو بلا سبب بل بمحض الکرم والله
سبحانہ وتعالیٰ لا یستطیعہ هو
تعالیٰ فعال لما یرید لا یسئل عما
یفعل فهذه نتیجة توحیدهم وادبهم
مع ربهم بل زاغوا فازاغ الله
قلوبهم ربنا لا تزغ قلوبنا بعد
اذ هدیتنا. انتهی ومن تلك المسائل
مسئلة اعراس المشائخ ومولد النبی صلی الله علیہ
وسلم فی الاوقات المعلومة قالوا حرام
بتعیین الاوقات والموالید بدعة یشبه
فعل الهنود ونقول ان منعوا نفس الاعراس
یعنی اطعام الطعام للمساکین وذوی
الحاجات بنیة ایصال الثواب

کردیا گیا ہے ورنہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اسکا استعمال جائز
نہ تھا چہارم مجھے عام شفاعت کا حق دیا گیا ہے پنجم یہ کہ میں
تمام مخلوقات کیطرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (یہ حدیث
بخاری و مسلم میں ہے) مخالفین کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ بلا وجہ
معافی نہیں دے سکتا، بالکل غلط ہے اور ہم کہتے ہیں
کہ پہلے تو یہ قول اُن عیسائیوں کے کلام سے بھی بڑھکر
معیوب ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا
تیرا رب آسمان سے ہمارے لئے کھانا اُتار سکتا ہے؟
کیونکہ عیسائیوں نے خدا کی قدرت میں شک کیا تھا۔ اسلئے
انہوں نے سوالیہ فقرہ پیش کیا اور ان لوگوں نے یقین
کر لیا ہے کہ خدا کو قدرت ہی نہیں کہ اپنا حق بھی بلاوجہ
معاف کردے۔ دوم یہ کہ بندہ اپنا حق بلاوجہ معاف کرسکتا
ہے بلکہ صرف کرم اور مہربانی سے معاف کرسکتا ہے اور
ان کے نزدیک خدا کو یہ طاقت نہیں. حالانکہ وہ جو چاہے
کرتا ہے، اس سے کوئی چون وچرا نہیں۔ دیکھو یہ اُن کی
توحید کا نتیجہ ہے اور اپنے رب کی تعظیم کا ثمرہ ہے یہی
نہیں، بلکہ وہ گمراہ ہوگئے۔ یا اللہ تو ہمارے دل کو
راہ راست سے نہ پھیر، بعد اس کے کہ تُو نے ہمکو سیدھی المسئلة
راہ دکھائی ہے. مختلف فیہ مسائل میں سے عرس مشائخ
اور میلاد نبوی کا مسئلہ بھی ہے جو مقررہ اوقات میں
منائے جاتے ہیں. مخالفین کہتے ہیں یہ حرام ہیں بوجہ تعیین
وقت کے اور مجالس میلاد فعل ہنود سے مشابہ ہیں مگر
ہم کہتے ہیں کہ اگر اصل حقیقت عرس کو ممنوع کہیں یعنی
مساکین اور حاجتمندوں کو کھانا کھلانا تاکہ ایصال ثواب

فذلك مكابرة ومخالفة للشرع
قال الله تعالى واطعموا القانع و
المعتر وقال تعالى انفقوا مما رزقناكم
من قبل ان ياتي يوم لا بيع فيه ولا
خلة ولا شفاعة وقال تعالى وما انفقتم
من نفقة او نذرتم من نذر فان الله
يعلمه وقال تعالى واقيموا الصلوة و
اتوا الزكوة واقرضوا الله قرضا حسنا
وما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه
عند الله هو خيرا واعظم اجرا وقال
تعالى ويطعمون الطعام على حبه مسكينا
ويتيما واسيرا وان منعوها لتعيين
الاوقات فتعيين الوقت لا يضر في
الامور المباحة الا ترى ان الشارع
عليه الصلوة والسلام امر امته بصوم
يوم عاشوراء وامر بصوم ست من شوال
وامرها بالتهجد في الليل وصلوة الاشراق
والضحى في الاوقات المعينة وامر
بالعقيقة في اليوم السابع من ولادة المولود
وغيرها فعين للامور المباحة اوقات
معينة والمقصود من تعيين الايام للاعراس
اجتماع الناس من النواحي بلا كلفة
لا غير وان منعوها لعدم ايصال الثواب
فذلك باطل عقلا ونقلا ويكفي في المقصود

ہو۔ تو یہ کج بحثی ہوگی اور شرع کا خلاف ہوگا کیونکہ خدا خود
حکم دیتا ہے کہ سوالی اور غیر سوالی حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ
یہ بھی فرمایا کہ جو مال ہم نے تمکو دیا ہے۔ اس سے خرچ کرو اللہ
کی راہ میں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت
ہوگی نہ دوستانہ کام آئیگا اور نہ تمہارے کسی دوست کی سفارش
کام آئے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
ہو یا نذر دیتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ
نماز بلا ناغہ ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو
اور جو خیرات تم اپنے لئے پیشگی بھیجو گے اُسے خدا کے یہاں
بہتر پاؤگے اور اسکا ثواب بہت پاؤگے۔ یہ بھی فرمایا کہ مومن
کھانا کھلاتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو اگرچہ
ان کو خود اس کھانے کی خواہش ہو۔ اگر مخالفین تعیین وقت
کی وجہ سے عرس کو حرام کہتے ہیں تو غلط ہے کیونکہ تعیین
وقت امور مباح میں مضر نہیں ہوتی۔ ارے تم یہ نہیں
دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے یوم عاشوراء کے روزہ کا اپنی
اُمت کو حکم دیا تھا، اور شوال کے چھ روزوں کا بھی حکم دیا
تھا اور رات کو نماز تہجد کا حکم دیا تھا اور صلوٰۃ اشراق کا اور
صلوٰۃ ضحیٰ کا اور ان سب کے اوقات متعین ہیں اور حکم دیا کہ پیدائش
کے بعد ساتویں روز بچے کا عقیقہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان
سب میں آپ نے وقت مقرر کر دیئے ہیں اور تعیین وقت عرس
میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ بلا تکلف جمع ہو جایا کریں
اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ اگر وہ اسلئے منع
کرتے ہیں کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا تو یہ بالکل غلط ہے
نہ اسے عقل مانتی ہے نہ کوئی نص تسلیم کرتی ہے اور ہمارے

حديث بئر ام سعدؓ فان اهداء ثواب
العمل للغير حيًا وميتًا جائز بل مأمور
بها الا ترى ان الحج من الغير عند عدم
القدرة ورد به الشرع كما امر الشارع
عليه الصلوٰة والسلام المرأة السائلة
عند انصرافه من مزدلفة عام حجة الوداع
واما المواليد بهيئتها الكذائية فانها
وان لم تكن في زمن خير القرون لكنه
امر مستحسن معمول كافة المسلمين شرقًا
وغربًا الا في الفرقة الحدثة الغير المقلدة
وما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن
وليس في قراءة المواليد الا مدح النبي
صلى الله عليه وسلم وانشاد الشعر في مدحه
صلى الله عليه وسلم وقراءته قراءة مدحه
سنة الاصحاب بل سنة النبي صلى الله عليه
وسلم لما روي ان النبي صلى الله عليه وسلم
كان يسمع الاشعار المدحية من حسان
بن ثابت وكعب بن زهير وسواد بن قارب
وغيرهم فمن يقول ان قراءة المولود
ممنوع او مذموم وفعل يشبه الهنود فهو
بنفسه مذموم ومطرود وما ادري لاي
سبب يمنعون قراءة المولد ما يمنعون
الامور المستحدثة غير المولد كبناء الرباطات و
تزيين المساجد بالنقوش وكتابة المصاحف المزخرفة

قراءة مولد النبي

اس مقصد (ایصالِ ثواب) کیلئے ام سعدؓ کے کنوئیں کی
حدیث کافی ہے۔ کیونکہ غیر کے عمل کا ثواب پہنچانا بحالت
حیات وموت دونوں صورتوں میں جائز ہوتا ہے بلکہ اسکا
حکم ہو چکا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ قدرت نہ ہو تو غیر سے
حج کرانے میں شرعی حکم وارد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام
حجۃ الوداع میں مقام مزدلفہ سے واپس تشریف لا رہے تھے
تو ایک عورت نے یہی سوال کیا تھا اور مجالس میلاد بہیئت المسئلة
موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں مگر اس
میں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کا شرق
ومغرب میں معمول ہے سوائے فرقہ نجدیہ غیر مقلدین کے
اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان مستحسن سمجھیں وہ
خدا کے نزدیک بھی مستحسن قرار پاتا ہے اور مجلس میلاد میں یہی
ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ذکر کیجاتی ہے
یا آپکی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا
پڑھنا سنتِ صحابہؓ ہے بلکہ سنتِ نبویہ ہے کیونکہ روایات
سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان
بن ثابت سے اپنے اشعار مدحیہ سنا کرتے تھے اور کعب بن
زہیر، سواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپ نے اشعار مدحیہ سنے تھے
اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا
ممنوع یا برا ہے اور فعل ہنود ہے وہ شخص خود برا ہے اور
راندۂ درگاہِ نبوی ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ
سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر
نو پیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے مثلاً مسافر خانوں کا بنانا
یا مساجد کا سجانا بیل بوٹے سے یا قرآن مجید کو سنہری حروف

بالمذهب تعليم العلوم العقلية والعلوم العربية كالصرف والنحو والحكمة والرياضيات ولبس ثياب مروجة الوقت واكل الاطعمة المتلونة فكل ذلك مباح لا اعتراض عليه لكن قراءة المولد الذي فيه ذكر ولادة النبي صلى الله عليه وسلم وذكر معجزاته وخوارق عاداته عند مولده حرام او بدعة ولا يظهر لمنعهم سبب الا حبهم له صلى الله عليه وسلم

المسئلة

ومن تلك المسائل مسئلة تصوره صلى الله عليه وسلم في الصلوة قال امامهم تصوره عليه الصلاة والسلام في الصلوة اسوء من تصور بهائم المصلي وتموا اخس انواع البهائم وانا لا اقدر ذكر ما سموه من البهائم في مقابلة اسمه الشريف تادبا وهذه العقيدة من اشنع عقائدهم اعاذنا الله تعالى منها ومع ذلك يسمونه بفخر العالم فاذا كان هذا حال فخر العالم فماذا يكون حال من كان دونه في القرب من الانبياء والصالحين وكيف يتصورون سيدنا الخليل عليه السلام حين يقرؤن قوله تعالى في الصلوة واتخذ الله ابراهيم خليلا وكيف يتصورون سيدنا موسى عليه السلام حين يقرؤن وكلم الله موسى تكليما وكيف يتصورون سيدنا عيسى

سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی تعلیم مثلاً صرف، نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ لباس کا استعمال یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا جب اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتے مگر ذکر میلاد جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں جو آپکی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت بتاتے ہیں۔ شائد ممانعت کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ ہم حضور علیہ السلام سے اظہار محبت کرتے ہیں اور بس، خوب! ان مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے جو نماز میں بلا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے خیال سے بھی بدتر ہے اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر میں جرأت نہیں کرسکتا کہ اس برے جانور کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور انکا یہ عقیدہ بدترین عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخر عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب فخر عالم کا انکے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انبیاء وصالحین کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہ الٰہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں۔ وہ بتائیں کہ جب وہ نماز میں واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں یا جب کلم اللہ موسیٰ تکلیما پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تصور کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام

عليه السلام حين يقرؤن فى الصلوة و
كان وجيها فى الدنيا والاخرة ومن
المقربين وجميع القرآن مفصح بمدحه
صلى الله عليه وسلم وقربه ومحبته قال
الله تعالى اطيعوا الله واطيعوا الرسول
ومن يطع الرسول فقد اطاع الله و
قوله تعالى قل ان كنتم تحبون الله
فاتبعوني وقال تعالى يا ايها النبى
انا ارسلناك شاهدا ومبشرا و
نذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا
منيرا وقال تعالى لا تجعلوا دعاء
الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا وقال
تعالى وتعزروه وتوقروه وهذا
توقيره عليه السلام عند القوم حتى
جعلوا تصوره اسوء من تصور البهائم
ومع ذلك سموا انفسهم اهل الحديث
فانا لله وانا اليه راجعون
ولما مات ولده صلى الله
عليه وسلم قال المشركون
صار ابتر فاجاب الله سبحانه
عن حبيبه ان شانئك هو
الابتر وكما قال ابو لهب
للنبى صلى الله عليه وسلم
تبا لك الهذا دعوتنا

کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ کان وجیہا فی الدنیا و
الاخرۃ ومن المقربین تو آپکے تصور کو کس قدر قیمت
میں جانتے ہیں ۔ انپر ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو
حضور علیہ السلام کی تعریف سے پُر ہے اور آپکی تعریف بیان کرتا
ہے یا آپکا قرب الہٰی اور محبت الہٰی ظاہر کرتا ہے چنانچہ ارشاد
ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو۔ اس کے رسول کی اطاعت کرو
جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی خدا کی اطاعت کرتا ہے۔
آپ کہدیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری
کرو اور یہ بھی فرمایا کہ اے نبی ہم نے آپکو اُمت کا نگران حال اور
مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانیوالا اور روشن
چراغ بنا کر مبعوث کیا ہے یہ بھی فرمایا کہ تم رسول علیہ السلام کا
بلاوا اپنے باہمی ایک دوسرے کے بلاوے کی مانند نہ بناؤ۔
یہ بھی فرمایا کہ تم رسول کی عزت و توقیر کرو ۔ تو اب وہابی بیچارہ
کیا کرے اور کیسے آپکے تصور کو روک سکتا ہے۔ سخت افسوس ہے
کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم آپکی یہ عزت کرتی ہے کہ نماز میں
آپکے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے
تصور سے بھی بدتر جانتی ہے ۔ پھر اس قوم نے اپنا نام
کیا رکھا ہے؟ اہل حدیث! انا للہ وانا الیہ راجعون۔
جب حضور علیہ السلام کے خلف الرشید حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا وصال ہوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ آپ ابتر ہوگئے ہیں
تو خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ ابتر نہیں بلکہ آپکے
دشمن ابتر ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے کوہ صفا پر تبلیغ
اسلام کے لئے قریش کو بلایا تھا۔ تو ابولہب نے اخیر وعظ
پر کہا تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپ نے ہمیں دعوت

غضب الله عليه واجاب عن حبيبه
بقوله تبت يدا ابی لهب وتبّ
والمرجو من المنصفين توازن قول
الوهابية ان تصوره صلی الله عليه
وسلم فی الصلوة اسوء من تصور
البهيمة الفلانية بقول ابی لهب
تبًّا لك ديرجحوا اشعروا فصح جعل
ابولهب جهنميا بقوله تبا لك
فكيف يكون حال من تفوه بمثل
ماقالوا لكن الوحی قد انقطع فمن
الذی يرد عليه قوله وقالوا لا يجوز
للمصلی ان يقول فی تشهده السلام
عليك ايها النبی ورحمة الله وبركاته
بل يقول السلام علی النبی تحاميا
من لفظ الخطاب المشير الی حضور
روحه عليه الصلوة والسلام قلنا و
لئن سلم ذلك فكيف نصوره عند
قراءة السلام علی النبی ورحمة الله
وبركاته انصوره بالتبجيل والتوقير
ام بالاهانة والتحقير عياذا بالله
ان صورناه بالتوقير بطلت قاعدتهم
المقررة فی اول المسئلة وان
صورناه بالتحقير عياذا
بالله هدمنا بناء الاسلام

دی تھی۔ خدا کرے تم جلد تباہ ہو جاؤ۔ اس پر خدا ناراض
ہوا اور اپنے حبیب کی طرف سے جواب دیا کہ ابو لہب کے دونوں ہاتھ
تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی تباہ ہو گا۔ اب انصاف پسند
طبائع سے مجھے امید ہے کہ وہ خود قولِ وہابیہ اور قولِ ابو لہب
کا باہمی موازنہ کریں گے (قولِ وہابیہ یہ ہے کہ نماز میں حضور
علیہ السلام کا تصور فلاں بدترین جانور کے تصور سے بھی
زیادہ بُرا ہے اور ابو لہب کا قول یہ ہے کہ اے نبی تو تباہ ہو جائے
اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ بُرا اور بدنام کرنے والا ہے
اور کس کا نہیں؟ ابو لہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تبا لک کہکر جہنمی
ہو گیا۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے ایسے گندے
لفظ کہے ہیں۔ افسوس وحی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ
ہو جاتا۔ اب انکا منہ کون توڑ سکتا ہے؟ یہ لوگ یوں بھی کہتے
ہیں کہ نمازی کو تشہد میں یوں کہنا جائز نہیں کہ یعنی آپ
پر سلام ہو اور آپ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو بلکہ یوں
غائب سمجھکر کہے کہ ہمارے نبی پر سلام ہو۔ تاکہ حاضری اور خطاب
کے لفظ سے بچ جائے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپکی
روح مبارک حاضر ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا
لفظ اختیار کرنے سے آپکی حاضری نہ ہو گی تو بتاؤ کہ جب نمازی
السلام علی النبی کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپ پر سلام و
درود بھیجیگا تو آپکا تصور بھی آئیگا؟ تعظیم و توقیر کی صورت میں یا
معاذ اللہ اہانت و تحقیر کی شکل میں۔ پس اگر وہ تصور عزت و توقیر
کے ساتھ ہوگا تو وہابیوں کا اصول ٹوٹ جائیگا کہ جو شروع مسئلہ
میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفسد صلوۃ ہے اور
اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر معاذ اللہ

ارشدونا الى اهون البليتين. انتهى.

ومن تلك المسائل مسئلة لفظ السيدنا قبل اسم النبي صلى الله عليه وسلم قالوا هذا بدعة وما كان مصطلحا فى زمن خير القرون اقول الاصطلاحات تتغير بتغير الزمان وهل كانت لفظة مولينا وشيخنا وحضرتنا وامثال ذلك مصطلحة فى زمن خير القرون وفى هذا الزمان يستنكف كل من ادعى العلم ان يخاطب بمجرد اسمه ويحسبه هتكا لحرمته فالنبى صلى الله عليه وسلم احق بالحرمة والتعظيم من سائر الناس اما قال الله تعالى فى حق سيدنا يحيى عليه السلام وسيدا وحصورا ونبيا من الصالحين وقال النبى صلى الله عليه وسلم انا سيد ولد آدم فلفظ السيد مرادف فى المعنى للفظ المولى بل المولى اعلى منه لانه يطلق على الله تعالى قال الله تعالى ذلك بان الله مولى الذين امنوا وقوله تعالى نعم المولى ونعم النصير. ومن تلك المسائل مسئلة اشتراك غير الله تعالى معه فى الفعل كما يقال للمعطى هذا من فضل الله وفضلكم او اعطانى الله ورسوله

تحیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی اکھاڑ دیگی خدا تعالیٰ مناسب رستے کی ہمیں ہدایت کرے (انتہی) اور

المسئلة

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پہلے سیدنا کا لفظ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے خیرالقرون کے وقت نہ تھی مگر میں کہتا ہوں کہ زمانہ تبدیلی سے محاورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں. تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخنا و حضرتنا وغیرہ کے لفظ خیرالقرون میں مستعمل تھے؟ حالانکہ موجودہ وقت میں جس ذی علم کو صرف نام سے پکارا جائے اور کوئی تعظیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھا لیتے ہیں اور اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں. پس اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھکر عزت و توقیر کے حقدار ہیں. کیا خدا تعالیٰ نے حضرت یحیی علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں فرمایا کہ آپ سید پاکدامن تھے اور نبی صالح تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سید ہوں اور سید کا لفظ مولی کے معنے میں ہے بلکہ مولی کا لفظ سید سے بھی اعلیٰ ہے کیونکہ سید کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا اور مولی کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے. چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولی ہیں جو ایمان لائے ہیں اور یہ بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین مددگار ہیں.

المسئلة

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا فعل خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی داتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی ہے. یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خدا کے رسول نے دی ہے

ففيه الحقيقة والمجاز اى اعطانى
الله حقيقة واعطيتنى ظاهرا
وكانت الصحابة رضى الله عنهم
حين يلقى النبى صلى الله عليه وسلم
عليهم سؤالا يقولون الله ورسوله
اعلم فكانوا يشتركون النبى صلى الله
عليه وسلم فى الاعلمية مع الله تعالى
ولا ينكر عليهم احد وقال الله تعالى
براءة من الله ورسوله وقال تعالى
فالله ورسوله احق ان يرضوه ومن
يطع الله ورسوله وقال تعالى وما
نقموا منهم الا ان اغناهم الله ورسوله
من فضله الى غير ذلك من الآيات
لكن الاحتراز عن امثال
هذه الكلمات احسن لعدم
تميز العوام بين الحقيقة و
المجاز ومن تلك المسائل مسئلة

مسئلة امكان الكذب على الله تعالى

امكان الكذب على الله تعالى
قالوا خلف الوعيد جائز وسموه
امكان الكذب قلنا لا يجوز
نسبة الكذب الى الله
تعالى وخلف الوعيد مكرمة
ولا يسمى كذبا لان الكذب
دناءة قبيحة يستنكف منها

توجواب یوں ہے کہ ایسے محاورہ میں مجازی طریق استعمال
ہوتا ہے اور حقیقی بھی۔ تو فقرہ مذکورہ کا یہ معنی ہوا کہ اصلی
طور پر تو خدا نے دیا ہے مگر بظاہر تم نے دیا ہے اور صحابہ
رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی سوال
پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو
یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسول بہتر
جانتا ہے اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے اور
اس جوابی فقرہ کو کسی نے برا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد
ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی مشرکین سے بیزاری ہے
یہ بھی فرمایا کہ انکو یہ مناسب تھا کہ خدا اور خدا کے رسول کو
راضی کرتے اور یہ بھی فرمایا کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول
کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کامیابی پائیگا یہ بھی ارشاد
ہے کہ مخالفین کیا یہی برا مناتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے
رسول نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے۔ اس قسم کی
آیات اور بھی بہت ہیں مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ
ایسے اشتراکی لفظوں سے عوام کو بچنا چاہیئے کیونکہ
وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔ اور ان
مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ
بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ عذابی وعدہ
میں جھوٹ بول سکتا ہے اور اس مسئلہ کا نام کمبختوں نے
امکان کذب رکھا ہوا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ ذات
خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے
اور وعدہ کر کے سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے

الجاد فكيف يريب العباد
و مغفرة المعاصي يوم
القيمة عفو و مكرمة لا
يسمى كذبا قال الله تعالے
بل كذبوا بما لم يحيطوا
بعلمه وقال تعالے ويقولون
على الله الكذب وهم
يعلمون فالخصلة الردئية
التى ذكرها الله تعالى من
عادات الكفار كيف يجوز
لمسلم ان ينسبها الى الله تعالے
فالحاكم ان اوعد اهل الجرائم
بالحبس والقتل مثلا فظفر
عليهم ثم عفى عنهم بشفاعة
احد من خواصه او بلطف
منه و اطلقهم هل يسمى
ذلك الحاكم كاذبا كلا بل
عفوه لهم احسان ومكرمة
فمن سمى فضل الله تعالے
ورحمته على عباده المجرمين
كذبا فقد كذب على
الله تعالے ومن اظلم
ممن كذب على الله او
كذب بأياته انه لا يفلح المجرمون

بلکہ وہ حصول اختیاری کی تبدیلی ہے اور اس خود اختیاری تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے، جس سے انسان بھی نفرت کرتے ہیں تو بھلا خدا تعالیٰ اس سے نفرت کیوں نہ کرینگے؟ پس قیامت کے دن عذاب کی بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ کافر کما قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھ سکے۔ پھر ارشاد ہے کہ وہ جانتے ہوئے اور جان بوجھکر خدا پر افترا کرتے ہیں۔ ان آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالیٰ نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ انکی عادت ہے پس مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے خدا سے نسبت دے تجربہ شاہد ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو حاکم حبس دوام یا قتل کی سزا دیتے ہیں مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص مہربانی سے یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیدیتے ہیں۔ اور رہا کر دیتے ہیں تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلاف یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے اور احسان اور کمال مہربانی ہے پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کریگا کذب کا عنوان دیتا ہے۔ وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے بڑھکر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی

مسئلة الاستمداد من ارواح الصلحاء

قالوا الیس اللہ علی کل شیئ قدیر
قلنا بلی ولکن قدرۃ اللہ تعالیٰ لا
تتوجہ الی المحالات کنشریک الباری
وغیرہ من المحالات فکف اللسان عن
امثال ھذہ الکلمات واجب علی العباد
ومن تلک المسائل مسئلۃ الاستمداد
من ارواح الصلحاء قالوا لا یجوز
الاستمداد الا عن اللہ تعالیٰ ومن
استمد من غیر اللہ تعالیٰ فقد اشرک
باللہ تعالیٰ قلت الکلام فی ھذہ المسئلۃ
من وجہین جواز نفس الاستمداد و
عدمہ والنفع من الاستمداد وعدمہ
فنفس الاستمداد یعنی طلب المعونۃ
شائع ذائع عندھم من الاحیاء فی
مقاصدھم الدنیویۃ من تعمیر المدارس
وتبلیغ المذاھب واجراء الجرائد فان
کان نفس الاستمداد شرکا فقد اشرکوا
باللہ تعالیٰ فلا فرق بیننا وبینہم
فی نفس الاستمداد غیر انہم
یستمدون من الاشباح الفانیۃ و
نحن نستمد من الارواح الطیبۃ الباقیۃ
واما النفع من الاستمداد فبارادۃ
اللہ تعالیٰ ان اراد نفعنا الارواح الطیبۃ
وتنفعہم الاشباح الفانیۃ وان لم یردہ ما نفعنا

مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو
جھوٹ پر کیوں قادر ہوگا (جواب) بیشک صحیح ہے
لیکن قدرت الٰہیہ ممکن اور نامناسب امور کیطرف متوجہ
نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔
اور اسی طرح کے اور ناواجب کام نہیں کرتا پس ایسے
بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زبان کو روک
رکھے۔ ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو
صلحاء کی روحوں سے کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ
ناجائز ہے اللہ کے سوا اور جو اللہ کے سوا کسی اور سے
استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے میں کہتا ہوں
کہ اسپر دو طریق سے بحث ہے اول صرف استمداد اور
عدم استمداد پر دوم استمداد سے نفع یا عدم نفع پر پس
نفس استمداد یعنی کسی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں
سے عام طور پر حاصل کیجاتی ہے اور کثیر الاستعمال اور
مشہور ہے چنانچہ مخالف بھی دنیاوی امور میں مثلاً
تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب وغیرہ اور اجرائے اخبارات)
میں انکے ہاں بھی پائی جاتی ہے تو اگر صرف استمداد
ہر طرح سے شرک ہے تو مخالف خود شرک کر رہے ہیں اور
نفس استمداد میں ہمارے اور انکے درمیان کوئی فرق
نہیں مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وہ فانی جسموں سے استمداد
کرتے ہیں اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد
کرتے ہیں۔ مابعد استمداد سے نفع تو اللہ تعالیٰ کا
ارادہ اگر چاہے تو ہم کو ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں اور
ان کو فانی جسم نفع دیتے ہیں اگر وہ نہ چاہے

وما نفعهم وان قالوا نحن نستمد
من ابدان الاحياء وانتم تستمدون
من ارواح الاموات نقول انتم
كذلك تستمدون من الارواح
لان المعطي والمانع هو الروح في
جسد كان او خارجا من الجسد
انتهى. ومن تلك المسائل مسئلة
تسمية بعض الناس اولادهم
منسوبين الى الانبياء والصلحاء
فهم يحكمون بالشرك على من سمى ولده
نبي بخش او رسول بخش او غلام محمد
او غلام الصديق واشباه ذلك
قالوا معطي الاولاد هو الله تعالى
لا يجوز لاحد ان يضاف اسم ولده
الى غيره تعالى والغلام بمعنى العبد
وكلنا عباد الله لا يجوز اضافة العبد
الى غيره تعالى قلنا سلمنا ان المعطي
والمانع هو الله تعالى حقيقة لكن
اضافة العطاء الى غيره تعالى
جائز مجازا كما قال جبرئيل عليه السلام
لمريم العذراء لاهب لك غلاما زكيا
وما قال ليهب الله تعالى لك غلاما زكيا فاذا
جاز ان يهب جبرئيل عليه السلام غلاما فلم
لا يجوز ان ينسب العطاء للنبي صلى الله عليه وسلم

تو نہ ہم کو ان سے نفع ہوتا ہے نہ انکو۔ اب اگر وہ یوں
کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے استمداد کرتے ہیں اور تم
مُردوں کی روحوں سے استمداد کرتے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ
درصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ در
حقیقت دینے والا یا روکنے والا روح ہی ہے خواہ
وہ جسم سے خارج ہو یا اسمیں داخل ہو۔ انتہیٰ۔ ان
المسئلة
مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے
نام انبیاء علیہم السلام یا صلحائے اُمت کیطرف
منسوب کردیتے ہیں مگر مخالف اس شخص پر شرک کا
فتوے لگا دیتے ہیں جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش،
رسول بخش یا غلام محمد یا غلام صدیق یا اسی قسم کا
اور نام رکھے کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے
اور یہ جائز نہ ہوگا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کیطرف منسوب
ہو اور غلام عبد کے معنے میں ہے اور ہم سب عباد
اللہ ہیں اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کیطرف جائز
نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معطی اور مانع درحقیقت
خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کیطرف منسوب کرنا
مجازی طور پر جائز ہوتا ہے کیونکہ حضرت جبرئیلؑ نے
حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آکر یوں کہا تھا
کہ میں تمکو پارسا لڑکا بخشنے آیا ہوں اور یوں نہیں
کہا تھا کہ اسلئے آیا ہوں کہ خدا تمکو لڑکا بخشیگا جو
پارسا ہوگا۔ تو جب جبرئیل علیہ السلام لڑکا دیسکتے
ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کیطرف یہ عطیہ منسوب
کرنا مجازی طور پر جائز نہ ہوگا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے

مجازا فان قيل ذلك كان بامر الله
تعالى قلنا سلمنا انه كان بامر الله
تعالى لكنه فتح لنا باب الجواز
واما الغلام وان كان بمعنى
العبد فى اصطلاح الفرس
فاى قباحة فى تشبيه الاولاد
بعبيد الصلحاء من الانبياء
والصحابة والصالحين اما كان
لهم عبيد اما كانوا ينسبون
عبيدهم لانفسهم بقولهم
عبدى و امتى اما قال الله تعالى
من عبادكم وامائكم فالعبيد
والناس جميعا عباد الله حقيقة
والعبيد عبيد لمالكيهم
مجازا كما بيّنا كثرة استعمال
المجاز فى القرآن فى اول الكتاب
كذلك اولاد الناس عبيد الله
حقيقة وعبيد للصلحاء مجازا
انتهى. ولكن هذا آخر ما
اردنا تحريره فى هذا المقام
اللهم انك تعلم انى ما
اردت بهذا التحرير الا صيانة
عقائد المسلمين عن الزيغ والضلال
فان كان صوابا فمنك ولك المنة

کہ قولِ جبرئیلؑ تو امرِ الٰہی تھا اور تمکو کس نے حکم دیا
ہے تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک
قولِ جبرئیلؑ امرِ الٰہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز
کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ
وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنے میں ہے۔ تاہم اپنے
بچوں کو صلحاء کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں
کیا قباحت ہوگی اور صلحاء سے مراد نبی ہیں اور صحابہ
اور اُمت محمدیہ کے نیک بندے۔ کیا انکے پاس خود
اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ
کرتے تھے؟ اور یوں نہ کہتے تھے کہ اے میرے بندے
اور اے میری لونڈی کیا خدا نے انکو ان سے منسوب
نہیں کیا کہ تم اپنے بندوں اور اپنی بندیوں کے نکاح
کرادیا کرو پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد گو
خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی
طور پر بندے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں
قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال
ذکر کردیا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں کے بچے
حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلحائے اُمت
کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ انتہیٰ۔ یہ ہماری تحریر
کا آخری مقام ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ یا اللہ
میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوائے
اس کے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے
درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں
تیرا احسان اور فضل مانتا ہوں۔ تو اس سے اپنے

١٤ محرم الحرام ١٣٤٦ هـ. [١٩٢٧ م.]

بسم الله الرحمن الرحيم

مسألة :

من كرامفور من ناحية نارتهه إركات .

ما يقول علماء الشريعة المتينة فى أن أحدا من مقلدى الإمام الأعظم أبى حنيفة رحمه الله تعالى يعمل بالحديث الصحيح الغير المنسوخ ولا المتروك وذلك الحديث معمول لأحد من الأئمة الأربعة كحديث التأمين جهراً ورفع اليدين قبل الركوع وبعد الركوع وصلوة الوتر ثلث ركعات بقعدة واحدة وتسليم واحد فهل يخرج هذا العامل من المذهب الحنفى أم يبقى حنفيا ، فإن قلتم يخرج فكيف نقل عن الإمام ابن الشحنة[١] فى " رد المحتار " وهو كتاب له إعتبار عند الأحناف .

إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث ويكون ذلك مذهبه ولايخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به فقد صح عنه أنه قال إذا صح الحديث فهو مذهبى وحكى ذلك ابن عبد البر[٢] عن أبى حنيفة وغيره من الأئمة .

وفى المكتوب السادس عشر من كتاب " مقامات مظهرى " للسيد مظهر جان جانان[٣] الحنفى إن عمل بالحديث الثابت لم يخرج من

---

(١) محمد ابن الشحنة الحلبي توفي سنة ٨٩٠ هـ. [١٤٨٥ م.]

(٢) الحافظ يوسف بن عبد البر المالكي الاندلسي توفي سنة ٤٦٣ هـ. [١٠٧١ م.]

(٣) ميرزا مظهر جان جانان توفي سنة ١١٩٥ هـ. [١٧٨١ م.] في دلهي

حنش هذا هو أبو على الرحبي وهو حنش بن قيس وهو ضعيف عند أهل الحديث ضعفه احمد وغيره والعمل على هذا عند أهل العلم .

وقد حرر الإمام جلال الدين السيوطى فى كتابه " التعقبات على الموضوعات " أشار الإمام الترمذى بذلك إلى أن الحديث اعتضد بقول أهل العلم وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله .

وقد نقل الإمام شمس الدين السخاوى[١] فى " فتح المغيث " عن الشيخ أبى الحسن القطان " هذا القسم لايحتج به كله بل يعمل به فى فضائل الأعمال ويتوقف عن العمل به فى الأحكام إلا إذ اكثرت طرقه أو عضده إتصال عمل أو موافقة شاهد صحيح أو ظاهر القرآن وقد قال الإمام المحقق على الإطلاق فى " فتح القدير[٢] " فى باب صفة الصلوة ليس معنى الضعيف الباطل فى نفس الأمر بل ما لم يثبت بالشروط المعتبرة عند أهل الحديث مع تجويز كونه صحيحا فى نفس الأمر فيجوز أن تقترن قرينة تحقق ذلك وإن الراوى الضعيف أجاد فى هذا المتن المعين فيحكم به .

وربما يكون الحديث صحيحا ولا يعمل به الإمام المجتهد :

١ : إما لأن عنده هذا الحديث غير متواتر يوجب نسخ الكتاب .

٢ : أو حديث الآحاد يوجب الزيادة على الكتاب .

٣ : أو الحديث روى عن الآحاد فى موضع تكرر الوقوع وعموم البلوى أو فى كثرة المشاهدين وتوفر دواعى الروايه .

---

(١) شمس الدين محمد السخاوي توفي سنة ٩٠٢ هـ. [١٤٩٦ م.] في المدينة المنورة

(٢) مؤلف فتح القدير كمال الدين محمد ابن همام توفي سنة ٨٦١ هـ. [١٤٥٦ م.]

الجـــواب

الحمد لله الذى أنزل الفرقان فيه تبيان لكل شئ تميزا للطيب من الخبيث وأمر نبيه أن يبينه للناس بما أراه الله فقرن القرآن ببيان الحديث والصلاة والسلام عـــلى من بين القرآن وأقام المظان وأذن للمجتهدين بإعمال الأذهان فاستخرجوا الأحكام بالطلب الحثيث فلو لا الأئمة لم يفهم الكتاب ولولا الكتاب لم يعلم الخطاب فيالهـا من سلسلة تهدى وتغيث وعلى آله وصحابته ومجتهدى ملته وسائر أمته إلى يوم التوريث .

أقول وبالله التوفيق ، ههنا أمران ، الأول صحـــة الحديث على مصطلح الأثر والثانى صحة الحديث لعمل المجتهد وبينهما عموم وخصوص مطلقا بل من وجه وقد يكون الحديث ضعيفا فى الأسناد وائمة الأمة وأمناء الملة يعملون به نظرا إلى أن، لذلك الحديث قرائن خارجة تعضده أو لأنه يطابق القواعد الشرعية فعملهم هـــذا يوجب صحة الحديث وتقويته .

فهنا قد تفرعت الصحة على العمل لا العمل على الصحة وقد قال الإمام الترمذى بعد أن روى الحديث من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى بابا من أبواب الكبائر " .

حنش هذا هو أبو على الرحبي وهو حنش بن قيس وهو ضعيف عند أهل الحديث ضعفه احمد وغيره والعمل على هذا عند أهل العلم .

وقد حرر الإمام جلال الدين السيوطى فى كتابه " التعقبات على الموضوعات " أشار الإمام الترمذى بذلك إلى أن الحديث اعتضد بقول أهل العلم وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله .

وقد نقل الإمام شمس الدين السخاوى[١] فى " فتح المغيث " عن الشيخ أبى الحسن القطان " هذا القسم لايحتج به كله بل يعمل به فى فضائل الأعمال ويتوقف عن العمل به فى الأحكام إلا إذ اكثرت طرقه أو عضده إتصال عمل أو موافقة شاهد صحيح أو ظاهر القرآن وقد قال الإمام المحقق على الإطلاق فى " فتح القدير[٢] " فى باب صفة الصلوة ليس معنى الضعيف الباطل فى نفس الأمر بل ما لم يثبت بالشروط المعتبرة عند أهل الحديث مع تجويز كونه صحيحا فى نفس الأمر فيجوز أن تقترن قرينة تحقق ذلك وإن الراوى الضعيف أجاد فى هذا المتن المعين فيحكم به .

وربما يكون الحديث صحيحا ولا يعمل به الإمام المجتهد :

١ : إما لأن عنده هذا الحديث غير متواتر يوجب نسخ الكتاب .

٢ : أو حديث الآحاد يوجب الزيادة على الكتاب .

٣ : أو الحديث روى عن الآحاد فى موضع تكرر الوقوع وعموم البلوى أو فى كثرة المشاهدين وتوفردواعى الروايه .

---

(١) شمس الدين محمد السخاوي توفي سنة ٩٠٢ هـ. [١٤٩٦ م.] في المدينة المنورة

(٢) مؤلف فتح القدير كمال الدين محمد ابن همام توفي سنة ٨٦١ هـ. [١٤٥٦ م.]

٤ : أو يلزم تكرار النسخ فى العمل به .

٥ : أو يكون الحديث الصحيح الآخر معا رضا لـــه ويترجح عليه بوجه من وجوه الترجيح الكثيرة .

٦ : أو ذلك الحـــديث مؤول أو معدول عن الظاهر لحـــكم الجمع والتوفيق والتطبيق بين الأدلة .

٧ : أو الحديثان متساويان ولا يمكـــن الجمع المقبول بينهما ولا يعلم تاريخهما ليتبين الناسخ من المنسوخ فبعـــد أن تساقطت الأدلـة المتعارضه وجب الرجوع إلى موافقة الأصل .

٨ : أومضى عمل العلماء على خلافه .

٩ : أو تعامل الأمة قد سوغ له مخالفة الحديث كمثل حديث المخابرة .

١٠ : أو خالف الراوى الصحابى الحديث المفسر .

١١ : أو انتفت علة الحكم الآن كما فى سهم المؤلفة قلوبهم .

١٢ : أو كمثل حديث لاتمنعوا اماء الله مساجد الله ، وكان مبنى الحكم حال العصر أو عرف البلد فانتفى الآن وانقطع .

١٣ : أو العمل بـــه داع إلى الضيق الشديد والحرج فى الدين كما فى حديث الشبهات .

١٤ : أو لفسادنا شئ هذا ألا وإن كما فى حديث التغريب لعام .

١٥ : أو مثل حديث ضجعة الفجر وجلسة الاستراحة منشأه أمر معتاد أو موقت أو حاجة خاصة لا التشريع الدائمي مثل الجهر بأية فى الظهر أحيانا أو جهر الفاروق بدعاء القنوت أو مثل الحديث عليك السلام تحية الموتى إنما المقصود به الإخبار لا الحكم الشرعى إلى غير ذلك من الوجوه التى يعرفها النبيه ولايبلغ حقيقة كنهها إلا المجتهد الفقية فمجرد كون الحديث صحيحا على مصطلح الأثر لن يكفى صحة العمل للمجتهد، ولم يظهر مجتهد من السادة الصحابة الكرام إلى الأئمــة المجتهدين المتأخرين رضى الله عنهم لم يجعل بعض الأحاديث الصحيحة مؤولا أو مرجوحا أو متروك العمل بوجه ما .

لم يعمل أمير المؤمنين عمـر الفاروق الأعظم بحديث عمـار رضي الله عنه فى التيمم للجنب وقال إتق الله يا عمار كما فى صحيح مسلم وكذلك لم يعمل بحديث فاطمة بنت قيس فى عدم النفقة والسكنى للمبتوتة وقال لانترك كتاب ربنا ولاسنة نبينا بقول امرأة لاندرى حفظت أم نسيت رواه مسلم أيضاً .

كذلك لم يعمل عبد الله بن مسعود رضي الله عنه بحديث التيمم السالف ذكره وقال أبو موسى الأشعرى رضي الله عنه أو لم تر عمر لم يقنع بقول عمار كمــا فى الصحيحين وكذلك لم تعمل أم المؤمنين عائشة الصديقـة رضي الله عنها بحديث فاطمة المذكور وقالت ما لفاطمة لاتتقى الله رواه البخارى .

وكذلك لم يعمل عبــد الله بن عباس رضى الله عنهما بحـديث أبى هريرة رضي الله عنه " الوضوء ممــامست النار " وقال انتوضأمن الدهن

انتوضأمن الحميم رواه الترمذى .

وكذلك لم يعمل الأمير معاوية[1] رضي الله عنه بحديث عبد الله بن عباس رضى الله عنهما أنه صلى الله عليه وسلم لم يستلم هذين الركنين وقال ليس شئ من البيت مهجورا كما فى البخارى من رواية الحموى والمستملى .

وكذلك لم يعمل الجماهير من الأئمة الصحابة والتابعين من بعدهم بحديث الوضوء من لحوم الإبل وهو صحيح معروف من حديث البراء وجابر بن سمرة وغيرهما رضى الله عنهم .

وكان إمام دار الهجرة عالم المدينة سيدنا مالك بن أنس رضي الله عنه يقول " العمل أثبت من الأحاديث " وقال أتباعه " إنه لضعيف أن يقال فى مثل ذلك حدثنى فلان عن فلان " .

وكانت طائفة من الأئمة التابعين إذا بلغهم الأحاديث من غيرهم على خلافهم قالوا مانجهل هذا ولكن مضى العمل على غيره .

ويقول للإمام محمد بن أبى بكر بن جرير[2] أخوه مراراً لما ذا ما حكمت بحديث كذا فيقول " لم أجد الناس عليه " . وكان أستاذ الأستاذ البخارى ومسلم إمام المحدثين عبد الرحمن بن مهدى يقول " السنة المتقدمة من سنة أهل المدينه خير من الحديث " نقل هذه الأقوال الخمسة الإمام أبو عبد الله محمد بن الحاج العبدرى المكى المالكى[3] فى " مدخله " فى فصل فى النعوت المحدثة وفى فصل فى الصلاة على الميت فى المسجد ما ورد من أن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم صلى

---

(١) معاو ية ابن ابي سفيان توفي سنة ٦٠ هـ. [٦٨٠ م.] في الشام

(٢) محمد ابن جرير الطبري توفي سنة ٣١٠ هـ. [٩٢٣ م.]

(٣) ابن الحاج محمد بن العبدري المكي المالكي الفاسي توفي سنة ٧٣٧ هـ. [١٣٣٦ م.]

على سهيل بن بيضاء فى المسجد فلم يصحبه العمل والعمل عند مالك أقوى إلخ .

ونذير حسين الدهلوى[1] نفسه يكتب فى كتابه " معيار الحق " أن ترك بعض الأئمة بعض الأحاديث فرع بحثهم لأنهم لم يعتبروا تلك الأحاديث أحاديث يعمل بها بدعوى النسخ أو بدعوى الضعف وأمثال ذلك .

فقد كشفت إضافة " أمثال ذلك " عن أن الأئمة أحيانا لايعتبرون بعض الأحاديث أحاديث يعمل بها بغير دعوى النسخ والضعف ولاشك أن الأمر كذلك ، وفى نفس الكتاب جعل المؤلف الحديث الجليل لصحيح البخارى " حتى ساوى الظل التلول " متروك العمل تقليدا محضاً لبعض الشافعية المقلدين بحيلة التأويلات الباردة الكاسدة الساقطة الفاسدة وقال معتذراً من الإثم إن هذه التأويلات الحقة إقترفتها جمعا بين الأدلة .

وسوى ذلك قد جعل كثيرا من الأحاديث الصحاح واهيات مردودة بالدعاوى الباطلة الذاهلة الزائلة بلاخوف ولاخطر تصويبا للمذهب وقد ذكرت تفصيل ذلك فى رسالتى " حاجز البحرين الواقى عن جمع الصلاتين " وهذه الرسالة فى مسئلة واحدة فقط وهناك قد أوضحت زلات نذير حسين الدهلوى التى تتعلق بها وهكذا فعل فى سائر المسائل .

---

(١) نذير حسين الدهلوي توفي سنة ١٣٢٠ هـ. [١٩٠٢ م.]

وبالجملة لاينكر عاقل موافقا كان أو مخالفا أن مجرد صحة الأثر لايستلزم صحة العمل بل يستحيل استلزامها والا يلزم القول بالمتنافيين حين صحة المتعارضين وذلك محال عقلاً فلا جرم أن يكون المراد بصحة الحديث فى الأقوال المذكورة بالسؤال وأمثال ذلك صحة العمل وبالخبر هو الخبر الواجب العمل عند المجتهد .

ومن أجلى البديهيات أنه إن عثر المجتهد على حديث ولم يعمل به لأجل التأويل أو للوجوه الآخرى فذلك الحديث لايكون مذهبا له والا تعود نفس الاستحالة العقلية من أنه قد قال بضده تصريحا .

فقد ظهر ظهور اهينا أن الادعاء بتلقى حديث على خلاف مذهب الإمام بزعم أن مذهب الإمام مطابق له لأجل أقوال الإمام المذكورة ينحصر فى أمرين :

الأول : ان يكون من المعلوم والمحقق أن هذا الحديث لم يكن بلغ الإمام والا فالمذهب بحال العثور مخالف لاموافق له ولذلك صرح العلامـة الزرقانى[١] فى شرح المؤطا الشريف قـد علم أن كون الحديث منهبه محله إذا علم أنه لم يطلع عليه إما إذا احتمل إطلاعه عليه وأنه حمله على محمل فلا يكون مذهبه .

الثانى : أن يكون لهذا القائل احاطة تامة باحكام الرجال والمتون وطرق الاحتجاج ووجوه الاستنباط وما يتعلق بها من اصول المذهب .

ههنا تعتريبـه لربع مراحل شديدة الصعوبـة كل منها أصعب من الاخرى .

---

(١) محمد بن عبد الباقى علوان الزرقاني المالكي المصري توفى سنة ١١٢٢ هـ. [١٧١٠ م.]

المرحلة الأولى : نقد الرجال بحيث أن يكون القائل عاثرا على مراتبهم من الثقة والصدق والحفظ والضبط وأقوال الأئمة فيهم ووجوه الطعن ومراتب التوثيق ومواضع تقديم الجرح والتعديل وحوامل الطعن ومناشى التوثيق ومواضع التحامل والتساهل والتحقيق ويكون متمكنا من استخراج مرتبــة اتقان الراوى بنقد الروايات وضبط المخالفات والاوهـام والخطيئات ويكون حاذقا فى اساميهم والقابهم وكناهـم وانسابهم والوجوه المختلفة لتعبير الرواة لاسيما أصحاب التدليس وتعيين المبهمات والمتفق والمتفرق والمختلف والمؤتلف ويكون مطلعا على مواليدهم ووفياتهـم وبلادهم ورحلاتهم ولقاء اتهم واساتذتهم وتلامــذتهم وطرق التحمل ووجوه الاداء والتدليس والتسوية والتغير والاختلاط والآخذين من قبل والآخذين من بعد والسامعين فى الحالين وغيرها من الأمور الضرورية كلها تكون منكشفة له فبعد ذلك كله يمكنه أن يقول فى سند الحديث فقط إنه صحيح أو حسن أو صالح أو ساقط أو باطل أو معضل أو مقطوع أو مرسل أو متصل .

المرحلة الثانية :

أن يمعن النظر التام فى الصحاح والسنن والمسانيــد والجوامع والمعـاجيم والأجزاء وغيرهــا من كتب الأحاديث وطرقها المختلفــة والفاظها المتنوعة إلى أن يعثر على تواتر الحديث أو شهرته أو فرديته النسبية أو الغرابة المطلقة أو الشذوذ أو النكارة واختلاف الرفع والوقف والقطع والوصل والمزيد فى متصل الإسانيد واضطرابات السند والمتن وما إلى ذلك وأن يحصل له أيضاً رفع الابهام ودفع الاوهام وايضاح

الخفي واظهار المشكل وابانة المجمل وتعيين المحتمل بجميع هذه الطرق واحاطة الألفاظ .

ولذلك كان الإمام أبو حاتم[١] الرازى يقول لا نحصل على معرفة حديث حتى نكتبه بستين وجها ، وبعد ذلك إنما يمكنه أن يحكم بأن الحديث شاذ أو منكر أو معروف أو مرفوع أو موقوف أو فرد أو مشهور .

المرحلة الثالثة :

ثم ينظر فى العلل الخفية والغوامض الدقيقة وهذا لم يقدر عليه أحد منذقرون، فإن وجد الحديث منزها من العلل كلها بعد الاحاطة بوجوه الاعلال فإنما يحكم بصحة الحديث بمعنى مصطلح الأثر بعد أن يمر بهذه المراحل الثلاثة وحفاظ الحديث كلهم والنقاد الاجلة وغير الواصلين إلى ذروة الإجتهاد الشامخة لا يبلغون إلا إلى هذه المرحلة والذين يدعون الإجتهاد وكفاءة الأئمة الامجاد وهم يقلدون اثناء الجواب هذه المراحل اصحاب الصحاح أو مصنفى اسماء الرجال تقليدا جامدا يوقحون ولا يستحيون بل هذا التقليد شرك جلى على قولهم، فى أى آية أو حديث قيل إن البخارى والترمذى بل الإمام أحمد وابن المدينى ما يصححونه او ما يخرجونه من حديث يكون كذلك وأى نص جاء أن الذهبى والعسقلانى بل النسائى وابن عدى[٢] والدارقطنى بل يحيى بن معين[٣] وابن مهدى ما يقولونه فذلك هو الحق المبين .

---

(١) ابو حاتم ابن حبّان محمد توفي سنة ٣٥٤ هـ. [٩٦٦ م.] في سمرقند

(٢) عبد الله ابن العدي توفي سنة ٣٢٣ هـ. [٩٣٥ م.] في استرآباد

(٣) يحيى بن معين البغدادي توفي سنة ٢٣٣ هـ. [٨٤٧ م.]

ولما لم يتقرر تقليد الا كابر الذين هم ارفع واعلى اوأعلم وأعظم بدرجات من هؤلاء وأمثالهم الذين كان ينبغى لهم أن يقلدوهم ويتبعونهم فى معرفة الإحكام الالهية الذين يعترف هؤلاء أيضاً بدرجات امامتهم السامية فالتقليد المحض للرجال (امثال البخارى والترمذى وغيرها) الذين هم اقل رتبة ومكانة بكثير من هؤلاء الإكابر (أمثال الأئمة الأربعة) فى أقل من هذا كالجرح والتعديل وغيرهما من الامور المذكورة التى فيها اتساع لتقديم الرأى لا يجوز قطعاً وإن استدللتم فاستدلوا برأيكم ولا تسموا فى هذا فلانا وفلانا فستنجلى الحقيقية .

ما ذا اخاضك يا مغرور فى الخطر

حتى هلكت فليت النمل لم تطر

يجب على الإخوان العادلين أن ينظروا إلى صعوبات هذه المراحل التى أوخذ فيها المحدث الجليل الشان أبو عبد الله الحاكم بمواخذات عظيمة شديدة وعزى مثل الإمام ابن حبان الناقد البصير إلى التساهل وأكبر منهما الإمام أبو عيسى الترمذى قد تقرر متساهلا فى التصحيح والتحسين والجبل الرفيع الإمام مسلم قد اعترف بعبقرية البخارى وأبى زرعة[1] كما أوضحنا فى رسالتنا " مدارج طبقات الحديث " .

ثم المرحلة الرابعة :

وهى العلو فى الفلك الرابع الذى لا يبلغ إليه أحد إلا بعد أن يكون شمسا منيرة بنور الإجتهاد ومن ذا الذى بلغ فى المراحل الثلثة

---

(١) ابو زرعه احمد الرازي توفي سنة ٣٧٥ هـ. [٩٨٥ م.]

مبلغ إمام ائمة المحدثين محمد بن اسمعيل البخارى ولكنه حينما دخل فى موضع الإحكام والنقض والإبرام فاتى بالعجائب من ارادان يلاحظها فليجب عليه النظر فى صحيح البخارى وعمدة القارى للعلامة العينى نظرة العدل مثلاً قصة (!) حليب الشاة شهير جداً .

وروایة اشتغال الإمام عیسی بن ابان بالحدیث ثم الاخطاء فی مسئلة مرتین وکونه ملازمالتلامذة الإمام الا عظم أبی حنیفة ما ثور ومعلوم ، لذلك یقول الإمام الاجل سفیان بن عیینة[١] شیخ الإمام الشافعی والإمام أحمد وأستاذ الأستاذ للإمام البخاری والإمام مسلم ومن الأئمة المحدثین الاجلة ومن الفقهاء المجتهدین ومن تبع التابعین " الأحادیث مضلة إلا للفقهاء .

ويقول العلامة ابن الحاج المالكى[٢] فى " المدخل " يريدا لإمام سفيان بن عيينة إن غيرهم قد يحل الشئ على ظاهره وله تاويل من حديث غيره أو دليل يخفى عليه أو متروك أوجب تركه غير شيئ مما لا يقوم به إلا من تبحر وتفقه .

ويقول سيدنا ونبينا محمد رسول الله ﷺ " نضر الله عبد اسمع مقالتى وفحفظها وعاها واداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هوا فقه منه " أخرجه الإمام ١ـ الشافعى ٢ـ والإمام أحمد ٣ـ والدارى ٤ـ وأبو داود ٥ـ والترمذى وصححه ٦ـ وابن

(!) وهى إذا شرب رضيعان حليب شاة يصيران اخوين رضيعين وهذا من العجائب (المعرّب) .

(١) سفيان بن عُيَينة توفى سنة ١٩٨ هـ. [٨١٣ م.] في مكة المكرمة

(٢) ابن الحاج محمد المالكي توفى سنة ٧٣٧ هـ. [١٣٣٧ م.]

ماجة ٧- والضياء فى المختارة ٨- والبيهقى فى المدخل عن زيد بن ثابت ٩- والدارمى عن جبير بن مطعم ونحوه ١٠- أحمد ١١- والترمذى ١٢- ابن حبان بسند صحيح عن ابن مسعود ١٣- والدارمى عن أبى الدرداء رضى الله عنهم أجمعين ولو كان العلم بالحديث يكفى فهم الحكم فما المراد بقول النبى ﷺ المذكور من قبل ؟

يقول الامام ابن حجر المكى الشافعى فى كتابه الخيرات الحسان (١) إن أحداً سأل امام المحدثين سليمان الأعمش[٢] التابعى الجليل الشان من الأئمة الاجلة التابعين ومن تلامذة سيدنا أنس رضي الله عنه عن مسائل وكان امامنا الاعظم سيدنا أبو حنيفة رضي الله عنه حاضرا فى المجلس فوجه الإمام الأعمش تلك المسائل إلى امامنا فاجاب الإمام على الفور فقال الإمام الأعمش من اين اتيت بهذه الاجوبة فقال من الإحاديث التى قد سمعتهامنك وروى تلك الإحاديث بالإسناد فقال الأعمش حسبك ما حدثتك به فى مائة يوم تحدثنى به فى ساعة واحدة ما علمت إنك تعمل بهذه الاحاديث يا معشر الفقهاء أنتم الاطباء ونحن الصيادلة وأنت أيها الرجل أخذت بكلا الطرفين والحمد لله رب العلمين ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم .

---

(١) قد نقلت هذا الكتاب النادر فى مناقب أبى حنيفة إلى الاردويه ، و قد طبع مع الأصل فى مدينه پيلشگ كمپنى كراتشى - شجاعت على و فى استنبول مطبعة (حقيقت كتاب أوى)

(٢) سليمان الأَعْمَش الكوفي توفى سنة ١٤٨ هـ.[٧٦٥ م.]

بعد ذلك الرابعة المراجعة :

وما أدراك ما المرحلة الرابعة هى اعوص المنازل وأصعب المراحل لا يسير إليها إلا أقل القلائل فمن يعرف قدرها واهميتها ، بيت :

گدائے خاك نشينى تو حافظا مخروش
كه نظم مملكت خويش خسروان دانند

(تعريب البيت) أنت الصعلوك ذوالمتربة أيها الحافظ فلا تعول ولا تطمع فإن الملوك هم يعلمون نظم مملكتهم واسرار سلطانهم .

فالواجب على السائران يكون له العثور التام والنظر العميق والذهن المتوقد والبصيرة الناقدة والبصر المنيع والاطلاع العام على جميع لغات العرب وفنون الأدب ووجوه الخطاب وطرق التفاهم وأنواع النظم واقسام المعانى وإدراك العلل وتنقيح المناط واستخراج الجامع ومعرفة المانع وموارد التعدية ومواضع القصر ودلائل حكم الآيات والأحاديث واقاويل الصحابة وائمة الفقه من القدماء والجدد ومواقع التعارض واسباب الترجيح ومناهج التوفيق ومدارج الدليل ومسالك التخصيص ومناسك التقييد ومشارع القيود وشوارع المقصود وغير ذلك .

وقد حرر الإمام شيخ الإسلام زكريا الأنصارى[١] ـ قدس سره ـ البارى شيئاً من اجمال ذلك ، " إياكم أن تبادروا إلى الإنكار على قول مجتهد أو تخطئته إلا بعد احاطتكم بادلة الشريعة كلها ومعرفتكم بجميع

(١) زكريا الانصاري الشافعي توفي سنة ٩٢٦ هـ. [١٥٢٠ م.]

لغات العرب التى احتوت عليها الشريعة كلها ومعرفتكم بمعانيها وطرقها ثم قال متصلا " وأنى لكم بذلك " نقله الإمام العارف بالله عبد الوهاب الشعرانى[١] فى الميزان .

ورد المحتار الذى نقل المستفتى عبارته فى المسألة فى نفس ذلك الكتاب قد اوضح معنى العبارة متصلابتلك العبارة ولكن المستفتى لم ينقله يقول ولا يخفى إن ذلك لمن كان اهلا للنظر فى النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها فإذا نظر أهل المذهب فى الدليل وعملوا به صح نسبته إلى المذاهب" .

ومما لاريب فيه أن الشخص الذى جاب هذه المراحل الأربعة هو مجتهد فى المذهب كالامام أبى يوسف والإمام محمد رضى الله عنهما فى المذهب المهذب الحنفى ولاشك أن لا مثال هؤلاء الأئمة مبررا لذلك الحكم ولتلك الدعوى ومع ذلك أنهم لم يخرجوا من تقليد الإمام فانهم خالفوا صورةً ولكنهم عملوا معنى بالأذن الكلى للإمام ثم إنهم وإن يكونوا مأ ذونين بالعمل لا يمكنهم أن يدعوا بالجزم أن مفاد هذا الحديث على رغم مذهب الإمام غاية الأمر الظن فقط يمكن أنه إن كانت مداركهم قصرت من مدارك الإمام العالية لو عرضوه على الإمام لعله لم يقبله فالتيقن التام على كون مذهب الإمام ليس هناك أيضاً فاجل الأئمة المجتهدين فى المذاهب قاضى الشرق والغرب سيدنا الامام أبو يوسف رحمه الله تعالى الذى قد اعترف الموافقون والمخالفون بمدارجه الرفيعة فى الحديث قال فيه الإمام المزنى[٢] تلميذ الامام الشافعى الجليل " هو اتبع القوم للحديث " وقال الإمام أحمد بن حنبل " منصف فى

---

(١) عبد الوهاب الشعراني الشافعي توفي سنة ٩٧٣ هـ. [١٥٦٥ م.]

(٢) اسماعيل المزني توفي سنة ٢٦٤ هـ. [٨٧٧ م.] في مصر

الحديث وقال الإمام يحي بن معين وهو متشدد كبير " ليس فى أصحاب الرأى أكثر حديثا ولا أثبت من أبى يوسف وقال أيضاً صاحب الحديث وصاحب السنة وحرار ابن عدى[١] فى كامل ليس فى أصحاب الرأى أكثر حديثا منه وقد عده الإمام أبو عبد الله الذهبى[٢] الشافعى من حفاظ الحديث وذكر فى كتاب تذكرة الحفاظ بعنوان الإمام العلامة فقيه العراقيين فهذا الإمام أبو يوسف مع جلالة شانه يقول فى الإمام سيدنا الإمام الأعظم رضي الله عنه ما خالفته فى شئ قط فتدبرته الا رأيت منهبه الذى ذهب إليه انجى فى الآخرة وكنت ربما ملت إلى الحديث فكان هو ابصر بالحديث الصحيح منى وقال أيضاً إذا كان الإمام يجزم بقول كنت اتردد إلى الأئمة المحدثين فى الكوفة لكى أرى أن اجد حديثا أو أثرا فى تأييد قوله فكثيرا ما قدمت أمام الإمام بحديثين أو بثلثة أحاديث فيقول فى البعض ليس بصحيح ويقول فى البعض ليس بمعروف فقلت وما أدراك هذا وأنها موافقة لقولك فيقول إنى عالم بعلم أهل الكوفة ذكر كله الإمام ابن حجر فى الخيرات الحسان .

ملخص الكلام أن غير البالغين إلى قمة الاجتهاد ليسوا اهلاً لهذا وليسوا مرادين هنا أصلاً فضلاً عن المدعيين الناشئين الجهال عديم الاناءة والوقار الذين لا يتمكنون من فهم كلامنا وكلامكم وينقدون اجتهاد أساطين الدين الالهى لو نظر السائل فى نفس كتاب رد المحتار أنه صرح فى الإمام ابن الشحنة[٣] والعلامة محمد بن محمد البهنسى[٤] استاذ العلامة نور الدين على القارى الباقانى والعلامة عمر بن نجيم المصرى[٥] مؤلف

---

(١) عبد الله ابن عدي الجرجاني توفي سنة ٣٦٥ هـ. [٩٧٥ م.]

(٢) محمد الذهبي توفي سنة ٧٤٨ هـ. [١٣٤٨ م.] في مصر

(٣) محمد ابن الشحنة الحلبي توفي سنة ٨٩٠ هـ. [١٤٨٥ م.]

(٤) محمد البهنسي الحنفى الدمشقى توفي سنة ٩٨٧ هـ. [١٥٧٩ م.]

(٥) عمر ابن نجيم المصرى الحنفى صاحب نهر الفائق شرح كنز نسفى توفى سنة ١٠٠٥ [١٥٩٧ م.] فى مصر

النهر الفائق والعلامة محمد بن على الدمشقى الحصكفى مؤلف الدر المختار الكبار أنهم ليسوا باهل لترجيح بعض روايات المذهب فضلا عن مخالفة المذهب ونقل فى كتاب الشهادة بباب القبول عن العلامة السائحانى " ابن الشحنة لم يكن من أهل الأختيار " وفى كتاب الزكوة فى باب صدقة الفطر " البهنسى ليس من أصحاب التصحيح " وفى كتاب النكاح بباب الحضانة " صاحب النهر ليس من أصحاب الترجيح " وفى كتاب الرهن عن بحث للعلامة الشارح الحصكفى لاحاجة إلى إثباته بالبحث والقياس الذى لسنا اهلا له وأن هؤلاء ليسوا فى شئ حتى إن الاكابر وأساطين المذهب الأعاظم الجليلين رفيعى الدرجات أمثال الإمام الكبير الخصاف[١] والإمام الأجل أبو جعفر الطحاوى والإمام أبو الحسن الكرخى والإمام شمس الأئمة الحلوانى[٢] والإمام شمس الأئمة السرخسى والإمام فخر الإسلام على البزدوى[٣] والإمام فقيه النفس فخر الدين قاضى خان والإمام أبو بكر الرازى[٤] والإمام أبو الحسن القدورى[٥] والإمام برهان الدين الفرغانى مؤلف الهداية وغيرهم من الأعاظم الكرام ادخلهم الله تعالى فى دار السلام قد نقل التصريح فيهم عن رسالة العلامة ابن كمال باشا[٦] رحمه الله تعالى " إنهم لايقدرون على شئ من المخالفة لا فى الأصول ولافى الفروع .

العدل فانكم حاضرون أمام الله وما ثلون بين يديه فليس من المناسب التلسن والتحمس والالحاح لدقائق بل لابد لكل إنسان أن يطرق رأسه ويفكر وأن يختبر مؤهلاته تجاه هؤلاء الأئمة العظام فيرى أين السهامن مصابيح السماء وأين الثرى من الثريا إن لم يقص على دينه

(١) احمد ابو بكر الخصّاف توفي سنة ٢٦١ هـ. [٨٧٤ م.]

(٢) عبد العزيز الحلواني الحنفي توفي سنة ٤٥٦ هـ. [١٠٦٤ م.] في بخارى

(٣) فخر الاسلام علي البزدوي الحنفي توفي سنة ٤٨٢ هـ. [١٠٨٩ م.] في سمرقند

(٤) احمد ابو بكر الرازي الحنفي توفي سنة ٤٦٣ هـ. [١٠٧٠ م.] في بغداد

(٥) احمد القدوري الحنفي توفي سنة ٤٢٨ هـ. [١٠٣٧ م.] في بغداد

(٦) احمد بن سليمان بن كمال باشا مفتي الثقلين توفى سنة ٩٤٠ هـ. [١٥٣٤ م.] في استنبول

وعدل فى نفسه لم يجد أهلية التلمذ لادنى تلامذة تلامذتهم ، لله الفريسة التى تكون مفلتة من وثبة الآساد الضوارى يريد الثعالب والسراحيب التمكن منها (إن هذا لشئ عجاب) .

نعم لانذكر من جعلـــه ابليس المريد مريدا لـــه وعلمه إدعاء " أناخير منه " تجاه جميع ائمة الأمة أيها الأخ هل ترغب فى التمسك بالـــدين أم الألحاح على القول فليس الاضطراب والسخطـة والتململ لدقائق مستنكرا ولكن لاحظوا آثار دعاوى الأهلية من غير المقلدين ورأسهم وزعيمهم وأعـــلى القمم وأسمى الذرى واكبر المحـــدثين والمتوحدين الإمام المنتخب والمتفرد مجتهد العصر علامة الدهر نذير حسين الـــدهلوى هداه الله إلى الصراط السوى لاحظوا مؤهلات نفس هـذا الأكبر وقد كشفت عن علمه بالحديث لحاجة سؤال السائلين فى هذا الشهر الجارى فى مسألة واحـــدة وهى الجمع بين الصلاتين فاخرجت الطرائف التى لم ترهاعين الفلك الهرم مع دورانه القديم وعمره الطويل من يريد البسط فليراجع كتابى المذكور " حاجز البحرين " .

أنا أجمل علم المجتهد الدهلوى وطرائفه وعجائبه فى مسألة واحدة :

١: هذا المجتهد (نذير حسين الدهلوى) لايميز الضعيف المحض من المتروك .

٢: ولايفرق بين التشيع والرفض .

٣: ولايفصل فلان يغرب وفلان غريب الحديث .

٤ : ولايميز بين الغريب والمنكر .

٥ : ويحمل كلام " فلان يهم " على الوهمى (أى الذى قيل فيه أنه يهم فهو وهمى عنده) .

٦ : وكذا يحمل " له أوهام " على أنه وهمى .

٧ : والحديث المرسل مردود مخذول عنده ومدلس العنعنة جدير بالأخذ والقبول .

٨ : يعتبر الوصل المتأخر تعليقا مثلاً عند ما يقول المحدث رواه مالك عن نافع عن ابن عمر حدثنا بذلك فلان عن فلان عن مالك يقرره هذا الدهلوى معلقا ويهضم قطعة حدثنا بذلك .

٩ : ويجعل الأحاديث الصحيحة مردودة منكرة وواهية بسلاطة لسانه فقط .

١٠ : والحديث الضعيف الذى صرح الإمام البخارى وغيره بكونه منكرا ومعلو لا يجعله صحيحا ببحوثه الباطلة .

١١ : ويقصر الحديث الضعيف على ضعف الرواة ويعتقد العلل القوادح معدومة حين ثقة الرواة .

١٢ : وله فى معرفة الرجال شرة التمييز إلى حد أنه لايميز بين الإمام الأجل سليمان الأعمش العظيم القدر الجليل الفخر التابعى الشهير وبين سليمان بن أرقم الضعيف .

١٣: ويعتقد خالـــد بن الحارث الثقة الثبت خالـــد بن مخلد القطوانى ولايفرق بينهما .

١٤: ويقرر الوليد بن[١] مسلم الثقة الشهير الوليد بن القاسم .

١٥: ويجهل مسألة تقوى بطرق جهلا محضاً .

١٦: ويغفـل عن الفرق البــديهى بين الراوى المجروح والمرجوح أصلاً .

١٧: الإمتياز بين المتابع والمدار صعب عليه ومتابعات الثقات الواضحة بأقرب الوجوه بين عينيـه ولكن الحديث سخيف بزعمـه لوقوع الضعف فى بعض الطرق .

١٨: وتتوفر الطرق الجليلـــة الموضحـة المعانى فى الكتب المشهورة المتداولـة حتى فى الصحيحين والسنن الأربعـة والوصول اليها يستحيل عليه فضلا عن قدرة الاعتناء بجميع الطرق من سائر الكتب واحاطة الألفاظ والفرق بين المبانى والمعانى من سائر الكتب بالبحث والتحقيق .

١٩: ولايقبل قول الأئمـة فى التصحيح والتضعيف إلا إذا كان ذلك القول منقولا ومـذكوراً فى تصانيفهم والا نقل الثقات يكون مردوداًأو مخذولاً .

٢٠: وقد يقدح الرواة الجليلين للبخارى ومسلم بلاوجه وجيه ودليل ملزم فيجعل بعضهم مردودا وخبيثا وبعضهم متروك الحـديث

---

(١) الحافظ وليد بن مسلم الدمشقي توفي سنة ١٩٥ هـ. [٨١٠ م.]

كالإمام بشر بن أبى بكر التيسى ومحمد بن فضيل بن غزوان الكوفى وخالد بن مخلد أبى الهيثم البجلى وهذا تفوهه برجال البخارى ومسلم الخاصين البعيدين عن الجرح والقدح وأكبر من ذلك أن علمه بالحديث قد وضع قواعد سبعة فى الرد والابطال للصحاح الستة فقال إن الراوى الذى قيل فيه " التقريب " صدوق رمى بالتشيع أو صدوق متشيع أو ثقة يغرب أو صدوق يخطئ أو صدوق يهم أو صدوق له أوهام فهؤلاء كلهم ضعاف ومردودا والرواية ومتركوا الحديث عند هذا الدهلوى ودعوا سائر الصحاح وانظروا فى الصحيحين تجدوا كثيرا من أمثال هؤلاء رواة ليس عددهم بواحد أو أثنين أو إلى عشرين فقط بل يبلغ عددهم إلى مائة أو أكثر ، هذه ست قواعد .

والسابعة السند الذى يقع فيه راوٍ غير منسوب مثلاً حدثنا خالد عن شعبة عن سليمان ويوجد راوٍ ضعيف آخر باسم ذلك الراوى فيحمله على الراوى الغير المنسوب بالنظر إلى قرب الطبقة وروايات المخرج رجما بالغيب وجزما بالريب ويحكم بضعف الحديث وسقوط الرواية .

معشر المسلمين! أنظروا إلى القواعد السبعة لهذا المحدث واعرضوا عليها البخارى ومسلم وما يرد من الأحاديث بهذه المحدثات المخترعة فاخرجوها إلى مستيقن وجازم بأنه لايبقى أكثر من نصف الكتابين أو ثلثها .

لا يسمح الله أن يكون طالب متوسط من مقلدى الأئمة متخبطا مثل ذلك ، هذه طرائفه فى مسألة واحدة فإلى أين تبلغ طرائف جميع كلامه فالعظمة لله هؤلاء القدماء الرءوس الذين تعتبرهم الجماعة انوفهم وتحسبهم مجتهدين عالين وموهلاتهم هـذه فأين الأمة الجديدة جماعة الإخوان الصغار منهم لا فى العير ولا فى النفير العياذ بالله من شر الشرير .

هل كان المرزا والشاه (ولى الله الدهاوى اللذان ذكرهما السائل فى الاستفتاء) غبيين وعديم الشعور حتى يفوضا ازمة أحكام الشريعة الالهية وفهم أحاديث الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم إلى أيدى رجال لاخطام لهم فمرادهما أن من كان أهلاً له فله إجازة العمل (بالحديث) بل الواجب لا الاغبياء الغير الموهلين الذين يقرءون الترجمة الأردوية للبخارى والترمذى والمشكوة فيحسبون أنهم محدثون أو بعض الناس يزعمون مذهب الأئمة مخالفا للحديث لكى يحرم الله تعالى تقليد الأئمة ويفرض الإيمان ببعض الناس فى هذا العصر ، أيها الأخ العزيز إنما هذا أيضاً تقليد محض نعم ليس تقليد أبى حنيفة ومحمد ولكن تقليد بعض الناس .

وا أسفاه! على أن يفهموا هذا المعنى من كلام المرزا و الشاه و يعتقد و هما خارجين عن نطاق العقل و هاديهما العالى مرشدهما السامى موليهما و مولى البيعة و إمامهما الرباني الشيخ مجدد الالف الثاني رحمة الله تعالى عليه يحرر فى مكتوب ٣١٢ من مكتوباته:-

مخدومى ! إن أحـاديث الرسول على مصدرها الصلوة والسلام قدجاءت فى باب جواز الإشارة بالسبابة كثيراً وجاء بعض الروايات الفقهية الحنفية أيضاً فى هذا الباب ولكن غير المذهب الظاهر , أما قول الإمام محمد الشيبانى كان رسول الله ﷺ يشير ونصنع كما يصنع النبى عليه وعلى آلـه الصلوة والسلام ثم قال هـذا قولى وقول أبى حنيفة رضى الله تعالى عنهما فمن روايات النوادر لامن روايات الأصول وإذا وقعت حرمـة الأشارة بالروايات المعتبرة وافتوا على كراهة الإشارة لايجوز للمقلدين أمثالنا أن نجترئ على الإشارة عملاً بمقتضى الأحاديث ولايخلو مرتكب هـذا الأمر من الحنفيـةعن الحالين إما لايثبت العلم بالأحاديث المعروفة فى جواز الإشارة للعلماء المجتهدين أو يحسبهم أنهم حكموا بالحرمـة والكراهة لمقتضى آرائهم خلاف الأحاديث وكلاهما فاسد ان لايختارهما إلاسفيه أو معاند ولكن نحسن الظن بهؤلاء الاكابر ونحسب أنهم لم يحكموا بالحرمة أو الكراهة حتى ظهر لهم الدليل غاية ما فى الباب أنـه لا علم لنا بذلك الدليل وهـذا المعنى لايستلزم قدح الاكابر وإن قال أحد إنـه يعلم الدليل بخلاف ذلك أقول لايعتبر علم المقلد فى إثبات الحلة والحرمة ويعتبرظن المجتهد فى هذا الباب كانهؤلا الاكابر يعلمون الأحاديث لأجل القرب ووفور العلم وحصول الورع والتقوى أحسن منا الاباعد ويعرفون الصحـة من السقم والنسخ من عدم النسخ أكثر منا ولاريب أنهم يحملون الوجـه الموجـه فى ترك العمل بمقتضى الأحاديث على صاحبها الصلوة والسلام وأما ما نقل عن الإمام الأعظم إذاصح الحديث فهو مذهبى فالمراد بـه الحديث الذى لم يصل إلى الإمام وحكم بخلاف ذلك بناء على عدم العلم بهذا الحديث

وأحاديث الإشارة (فى التشهد) ليست من هذا القسم وإن قالوا إن علماء الاحناف افتوا بجواز الأشارة أيضاً فيجوز العمل بكليهما بمقتضى الفتاوى المتعارضة قلت إن وقع التعارض بين الجواز ترجح عدم الجواز اه ملتقطاً .

ونقل أيضاً من رسالة المبدء والمعاد للمجدد :ـ

" كان يتمنى (هذا المجدد) إلى مدة أن يبدو وجه القراءة الفاتحة خلف الإمام فى المذهب الحنفى ولكن اعتناء بالمذهب كان يترك القراءة جبراً وكان يعتد هـذا الترك من قبيل الرياضة أخيراً أظهر الله حقيقة المذهب الحنفى فى ترك قراءة الماموم ببركة الأهتمام بالمذهب إذ الانتقال عن المذهب الحاد وجعل القراءة الحكمية أجمل من القراءة الحقيقية فى نظر البصيرة " .

نعم استعرضوا الآن أخبار أقوال الكبار ثم انظروا هـذا كبير الكبراء وعظيم العظماء وإمام الأئمة ماذا يقول وكيف ينزل الصواعق على الادعاء الباطل أى العمل بالحديث وكيف يهلك هذه النظرية .

أولاً : إعترف صراحة بأن الأشارة فى التشهد وردت فى كثير من أحاديث النبى صلى الله تعالى عليه وسلم .

ثانياً : تلك الأحاديث معروفة وشهيرة .

ثالثاً : فى المذهب الحنفى اختلاف قال الإمام محمد رحمه الله تعالى فى روايات النوادر كان النبى ﷺ يشير فنحن نشير أيضاً .

رابعاً : وأعرب عن أن هـذا قول الإمـام الأعظم رضى الله تعالى عنه .

خامساً : ليست الرواية فقط بل أفتى العلماء الأحناف بكليهما مع هـذا كلـه لأجل أن روايات الأشارة ليست من ظاهر الرواية يقول بكل صراحة لايجوز لنا المقلدين أن نجترئ على الإشارة نعمل بالحديث هذا القول القاهر للإمام الربانى فى حال اللين والسهل فكيف يكون قوله فى العمل بالحديث فيما لاتكون الفتوى مختلفة ولايوجد اختلاف فى الرواية أصلاً .

أيها الناس هل فى هذا الإمام قال الشاه ولى الله أنه احمق مبين أو منافق كافر استحيوا أيها المعترضون وإخشوا عظمـة الشاه ولى الله لم يكن يمكنه أن يظن فى فخامة المجدد هذا الظن المردود والمذموم فإنه يعتقده قطب الأرشاد والهادى والمرشد ودافع البدعات ويعتبر تعظيمه تعظيم الله وشكره شكر الله كما يكتب فى مكتوبه السابع :

" الشيخ (مجدد الألف الثانى) قطب الأرشاد لهذا الدور وقـد نجى كثير من الضالين باديـة الطبائع والبدعات على يده وتعظيم الشيخ تعظيم لمدور الأدوار ومكون الاكوان والشكر لنعمـة الشيخ شكر لمفيض النعمـة أعظم الله تعالى له الأجور " .

نعم لعل طعن نذير حسين الدهلوى ليس الأعلى حضرة المجدد كما يكتب فى " معيار الحق " إن بعض الناس فى هذه الأيام يصبحون مشركين

بالتزام التقليد المعين فإنهم لايقبلون الحديث الصحيح وإن عرض ضد رواية الكيدانى .

فى نفس مسئلة الإشارة تعرض رواية الكيدانى كما عرض المجدد فتاوى الغرائب وجامع الرموز وخزانة الروايات وغيرها وذلك أصل واحد أى عدم قبول الحديث ضد الرواية الفقهية .

فأنظروا كيف يقدم المجدد الرواية الفقهية ولاجلها يترك العمل بالأحاديث الصحيحة ويعبر نذير الدهلوى عن هذا بالشرك بلاخوف ولاخطر حفظنا الله من ظلال هؤلاء مجى الشرك ونفوض أمر الدهلوى إليه ونقدم فوائد كلام المجدد .

أولاً : هذه هى فائدة عظيمة .

ثانياً : قد صرح حضرة المجدد بأن الأحاديث المعروفة كما وردت فى رفع اليدين وقراءة المقتدى وغيرهما فانها ليست أقل شهرة من احاديث الإشارة فلا يعرضها ضد أقوال الإمام إلاغبى سفيه أو معاند مكابر ملح فإن تلك الأحاديث لم تكن لتخفى على الإمام ومعاذ الله لم يكن الإمام ليخالف الأحاديث برأيه فلا جرم أنه لم يعمل بها لدليل قوى شرعى .

ثالثاً : قد أعرب عن أن العلم باجوبة الأحاديث ليس بواجب لنا ويكفينا العلم بأن عند علمائنا وجها موجها .

رابعاً : وقد قال أيضاً يكون العمل بمسألة المذهب وإن لم نعلم الدليل على خلاف ذلك صراحة فضلاً على أن لا نعلم الدليل على

مسألة المذهب على كل حال لايعتبر شيئاً .

خامساً : وقال أيضاً إن علماءنا الأسلاف رضى الله عنهم كما كانوا يحملون على الحديث ويعرفون الصحيح والضعيف والمنسوخ والناسخ لايساوى بهم من بعدهم فلا علم لهم كعلمهم ولاقرب لهم كقربهم الرسالة إذا يقول المجدد فى عصره فالى الآن قد مضى بعده ثلاث مائة عام فاليوم قليلوا المطالعة والقراءة هل يمكنهم أن يعادلوا بالأئمة .

سادساً : قد صرح بشرط أن أقوال الإمام الماثورة بألسوال الخاص (المذكور فى الابتداء) تتعلق بالأحاديث التى لم تصل إلى الإمام وصدرت المخالفة بناء على عدم العثور لا أنه مرجوح أو مأول أو متروك العمل على أصول المذهب بوجه من الوجوه المذكورة وإلا هكذا كانت المخالفة بحال العثور أيضاً كما لايخفى .

سابعاً : لعل مكانة علم المجدد لاينكرها هؤلاء أيضاً إن هذا المرزا جان جانان الذى استدل بكلامه (فى هذا الاستفتاء) اعترف بكبره يعتقد حضرة المجدد أهلاً للاجتهاد ويكتب فى ملفوظاته " التمست من رسول الله ﷺ ماذا تقول فى مجدد الألف الثانى ؟ قال من مثله فى أمتى ؟ إذا يقول هذا كبير الكبار " إنه لايجوز لنا المقلدين العمل بالأحاديث على خلاف الإمام والذى يجترحه احمق فاقد الشعور وهو باطل وساع للباطل فأين هؤلاء الزاعمون الكاذبون منهم أين الثرى من الثريا .

هذه الفوائد السبعة كانت فى عبارة المكتوبات .

ثامناً : وإن لم يدرك أحد حقيـــة قول الإمام ولكن العمـل بذلك واجب إن هذا يحبه الله ويوجب البركات ، أنظروا إن حقية المذهب الحنفى فى مسألـــة قراءة المقتـدى (خلف الإمام) لم تكن ظهرت لامجدد إلى مـدة ولم يزل قلب المجدد يميل إلى القراءة ولكن لم يعمل إحتفالا للمـذهب ولم يزل يبحث عن مبرر فى نفس المذهب الحنفى .

تاسعاً : قد أجاب عن سوال بصراحة أنه إن خالف الإمام فى مسألة واحدة ولو بسبب أنه لم تظهر حقية المذهب فيها خرج عن المذهب لأن هذا يعتبره الإمام الربانى انتقالا عن المذهب .

عاشراً : أنظروا فى هـــذا الحكم القاهر الأشد أن من يفعـــل ذلك فهو ملحد .

فالآن على نذير الدهلوى أن يبتغى بمقتضى إيمانه ما ينبغى له إن شاء يقرر الشاه والمرزا سفيهين ومعاندين وملحدين عند المجدد وإن شاء يجعل حضرة المجدد مدعى الباطل ومخالف الإمام والأحمق المبين أو المنافق الكامن عـلى قولهما ولاحول ولاقوة إلا بالله العـلى العظيم لاجرم أنهما يحادثان على نفس صحة العمل التى لايعثر عليها إلا الفقهاء أهل النظر والاجتهاد فى المذهب فالكلامان ليسا متخالفين ولا حرف فيها مخالف لنا هكـذا ينبغى التحقيق والله ولى التوفيق ، كان هذا المبحث طويل الأذيال المقتضى بسط الكلام ولكن ما قل وكفى خير مما كثر وألهى

أيها القارءون الكرام أنظروا فى المبحث المسئول عنه واجتنبوا الخروج عن المبحث فإنه الصنيع الشنيع للجهلة والعاجزين ربنا إفتح بيننا وبين قومنا بالحق وأنت خير الفاتحين وصلى الله تعالى على سيد المرسلين محمد وآله وصحبه أجمعين .

وكان ينبغى لنا أن نسمى هذا المختصر بمقتضى المادة :

„ الفضل الموهبي فى معنى إذاصح الحديث فهو مذهبي “

ونلقبه باللبّ التاريخى :

” أعز النكات بجواب سوال اركات “

ربنا تقبل منا أنك أنت السميع العليم ، آمين . والله سبحنه وتعالى أعلم وعلمه جلّ مجده أتم وأحكم .

كتبه : عبده المذنب احمد رضا البريلوى
عفى عنه بمحمد المصطفى النبى الأمى
صلى الله تعالى عليه وآله وسلم .

☆ ☆ ☆

بدأت حركة الخلافة بعد الحرب العالمى الأولى (زهاء ١٩١٩م) فى جميع شبه القارة الهندية، وأساس هذه الحركة كان الظلم والإستبداد على الأتراك المسلمين من المسيحيين ، وهذا ما ملاء صدور المسلمين بالأحقاد ضد الإنجليز فى شبه القاره ، وكان فى الهند مع سائر الناس فريقان كبيران ، حكما على الهند أيا ما غير يسيرة ، هما المسلمون والهندوس ، وكان كل منهما يود سيطرته على الهند ، ولما رأى رئيس الهندوس غاندى[١] نفرة المسلمين ضد الإنجليز ، إغتنم هذه الفرصة وأعلن " بحركة ترك الموالات " ليأخذ القوة من المسلمين ضد الإنجليز، وذلك فى سنه ١٩٢٠م وبعينه أراد بعض القواد من المسلمين ما أراد غاندى ، وكان من نتيجته مقارنة " حركة الخلافة " (التى كانت حركة المسلمين) مع "حركة ترك الموالات" ونشأت من هذا كله مشكلة شرعية ، وهى أن المسلمين وإن قاطعوا الإنجليز ولكنهم والوا الهندوس ، بل قيدوا أنفسهم مع الهندوس فى سلسلة المواخاة والمودة ، وأول من جهر بتحريم هذه الصورة هو شيخنا أحمد رضا فإنه خالف " حركة ترك الموالات " بشكلها الخاصة ، والذين كانوا فى طليعة هذه الحركة إتهموه بمودة الإنجليز والحال إنه أكبر اعداء الإنجليز فى الواقع كما سنوضح بعد، وهذه الحركة كانت بعينها كتلك الحركة التى كانت فى عهد الملك " أكبر " (٩٦٣هـ - ١٠١٤هـ) فقام ضدها الشيخ أحمد سرهندى (متوفى ١٠٣٤هـ) المجدد للألف

(١) غاندي رئيس البراهمة في الهند توفي سنة ١٣٦٨ هـ. [١٩٤٨ م.]

الثانى، ألذى يقول فيه شاعر المشرق علامه اقبال رحمه الله

وه هند ميں سرمايهٔ ملت كا نگهبان

الله نے بروقت كيا جس كو خبردار

ولما أنشئت تلك الحركــة الأكبريه (توحيد الأديان) بهيئة جديدة قام لتدميرها وتدحيضها أحمد آخر ، وهو أحمد رضا ، رحمه الله ، فدمرها بفضل الله وكرمه تدميرا

خضوع بعض العلماء للإنجليز وحشوعهم للهندوس :

ومع الأسف لابدلى أن أذكر موجزاً الجو الذى عمل فيه الشيخ أحمد رضا خان رحمه الله عمله التجديدى ، وقلت " مع الأسف " لأن هذه التذكرة تسفر القناع عن بعض وجوه الأعيان ، ومعهذا لا قبل ولا قدرة لنا على تغيير مسجلات التاريخ .

تفرق أتباع الشيخ إمداد اللّه (١) مهـاجر مكي فى فرقتين عند الثورة الهندية سنة ١٢٧٤ هـ. ١٨٥٧ م و هذا الإفتراق وقع فى مسئلة نـصرة ملك دلهي ، فانتخبت فرقة مـركزها على كره (مدينة فى هند) و أخرى ديوبند (٢) أما اصحاب ديوبند فـهم ساعدوا فى ثورة سنة ١٣٧٧ هـ. ١٩٥٧ م الإنجليز بل بعضهم قاتلوا مع المسلمين (٣) و الشيخ رشيد (٤)

(١) امداد الله الديو بندي توفي سنة ١٣١٧ هـ. [١٨٩٩ م.]

(٢) الشيخ عبيد الله السندي - الشاه ولي الله وحركته السياسية ص - ١١١.

(٣) تذكرة الرشيد ، المجلد الاول - ص - ٧٥.

(٤) رشيد احمد الكنكوهي الديو بندي توفي سنة ١٣٢٣ هـ. [١٩٠٥ م.]

أحمد جنجوهی لما أخذ فی قضیة البغی ضد الإنجلیز قال واضحا "إنی فی الواقع مطیع للحکومة (الإنجلیزیة) لذا لا تضرنی تهمة شیئا ، و لو قتلت فالحکومة ولیة الأمر تفعل ما تشاء (١).

و قال بعض العلماء إن الهند دار الحرب و المسلمین مستأمنون فیها ، و علی هذا الأساس لا یجوز لهم الجهاد ، کما قالت الشیعة (٢) و قال بعضهم إن الهند دار الاسلام فلا یجوز فیها الجهاد ، و کانت الحال لسیطرة الحکومة الإنجلیزیة أن أکثر الناس أطاعوها ، کما یقول الفردلائل "إن الجمعیات الهندیة کلها مع اختلافها فی بعض الأمور متحدة القلوب فی اطاعة تاج بریطانیه اطاعة کاملة (٣).

وبعد الحرب العالمی الأولی بدأت حرکة الخلافة وفی تلك الآونة بدأت حرکة ترك الموالاة علی إشارة غاندی، واتحدت هاتان الحرکتان لمخالفة الإنجلیز مع الموالاة فیما بینهما ، أی بین المسلمن والهندوس ، ومن هنا نشاء تصور القومیة الوطنیة ، وقالوا إن المسلمین والهندوس قوم واحد لأنهم یسکنون فی وطن واحد ، ومع الأسف قبل هذا

---

(١) تذکرة الرشید المجلد الأول ص ـ ٨٠ .

(٢) هذا ما قاله ڈبلیو ڈبلیو هنٹر فی کتابه ـ مسلموا هند ص ـ ١٧٤ ـ ١٨٠ .

(٣) سر الفر ڈلائل ـ عروج وسعة للمملکة الهندیة ـ طبع حیدر دکن آباد ١٩٣٣م ص ٣٦٩ .

التصور بعض أكابر علماء الهند ، وفى بعضهم يقول علامه إقبال رحمه الله .

عجم هنوز نداند رموز دين ورنه . . . .
ز ديوبند حسين احمد اين چه بو العجبى است
سرود برسر منبر كه ملت از وطن است
چه بے خبر ز مقام محمد عربى است
به مصطفىٰ برسان خويش را كه دين همه اوست
گر باو نه رسيدى تمام بولهبى است (١)

يعنى إن العجم لم يقفوا على رموز الدين حتى الآن ، والعجب كل العجب أن حسين أحمد الديوبندى[٢] يقول على المنبر إن القوم يتشكل بالوطن ، ما أجهله عن مكانة المصطفىٰ ﷺ ، الدين كله فى حب الرسول ﷺ ومن لم يحبه فهو أبو لهب ، أى لا بد للمسلم أن يجعل مركز المحبة محمداً ﷺ لا الوطن واللغة والنسب والحسب وغيرها ؛ كما يقول العلامه فى شعر آخر .

نهيں وجود حدود وثغور سے اسكا
محمد عربى سے هے عالم عربى

وحضر مولينا محمد على جوهر ومولينا شوكت على فى خدمة الشيخ احمد رضا رحمه الله ودعاه إلى " حركة ترك الموالات " فاجاب

---

(١) كليات إقبال ، طبع دهلى ص - ٣٥٢ .

(٢) حسين احمد الديوبندي توفي سنة ١٣٧٧ هـ. [١٩٥٧ م.]

الشيخ بقوله " مولينا ! فرق عظيم بين سياستكم وسياستى ، أنتم حماة إتحاد المسلمين والهندوس وأنا ضد هذا الأتحاد، ولما سمعا هذه الإجابة الواضحة وجدا فى نفسها شيئاً ، وتطيبيا لقلوبهم قال الشيخ ! " مولينا ! إنى لا أخالف حرية الوطن بل إنى أخالف إتحاد المسلمين والهندوس" (١) .

وقد استفتى الشيخ بعض الناس عن ترك الموالات (١٣٣٩هـ ١٩٢٠م) فأجاب الشيخ جوابا مدللا بدلائل قاطعة ، وطبع هذا الجواب باسم " المحجة الموتمنة فى آية الممتحنة " (١٣٣٩هـ/١٩٢٠م) وأريد أن أذكر فكرة الشيخ فى ضوء هذا الكتاب .

سأله مولوى حاكم على برفسور كلية إسلاميه لاهور (١٤ صفر ١٣٣٩هـ) وخلاصة سؤاله كالآتى :-

" قال مولينا أبو الكلام آزاد فى جلسة الشورى العموميه لكلية إسلاميه فى لاهور (٢٠ اكتوبر ١٩٢٠م) لا بدلنا من رد المبالغ الإمداديه من حكومة بريطانيه لتحقق ترك الموالاة ، وتفرز الكلية عن الجامعة ، وكان قول أبى الكلام موجبا لإثارة الغضب فى شركاء الجلسة ، فسأل مولوى حاكم على من الشيخ احمد رضا خان عن قول أبى الكلام ، هل يصح قوله أم لا ؟ وما حكم هذه المبالغ ؟ وقبول

---

(١) پاشا بيگم - الخدمات السياسة والدينيه للشيخ احمد رضا ، عرفات لاهور ، اپريل ١٩٧٠م - ص ٦٥ .

وبرفسور محمد مسعود احمد : فاضل بريلوى اور ترك موالاة .

والدكتور اشتياق حسين قريشى . العماء فى السياسة (بلغة انجليزيه) طبع معارف بستد كراتشى - ص ٣٦٤ .

هذه المبالغ من الموالات أم لا ؟ وأجاب الشيخ ما محصله .

١- هناك فرق عظيم بين مجرد المعاملة والموالاة ، والمعاملة الدنيوية التى لاتضر بالدين غير ممنوع قطعا إلا عن المرتدين ، والذمى فى المعاملة كالمسلم (١) .

٢- يحل النكاح بالكتابيه، وإن جنجوا للسلم فالمصالحة ضرورية (٢) .

٣- وتجوز المعاهدة معهم ، وكذا لو عاهد المسلم مع غير المسلم معاهدة جائزة فيجب إيفاء العهد والغدر حرام .

٤- كان أصحاب ترك الموالاة يستعملون أشياء الإنجليز ، مثلاً القطار البريد ، التلغراف وغيرها حينما يحرمون إشتراء أموالهم ، فالشيخ يقول يا للعجب ! جاز دفع المال فى المقاطعة (ترك الموالاة) وحرم أخذ المال ، وإن قيل إن القطار والبريد وغيرهما فى بلادنا ، ومن أموالنا، فالجواب إن المبالغ التى تدفع فى الإمداد لاتأتى من بريطانيه وإنما هى أيضاً من أموالنا ومن بلادنا .

ثم بعد هذا السؤال أرسل إلى الشيخ سؤالا شودرى عزيز الرحمن صدر المدرسين للمدرسة الرسميه لائلپور (١٣٣٩هـ) وكانت فى السؤال

---

(١) الشيخ احمد رضا رحمه الله ـ المحجة المؤتمنه ـ ورئيس احمد جعفرى : أوراق كم كشة طبع لاهور ـ ص ٢٢٧ .

(٢) أوراق كم كشة ـ ص ٢٢٧ .

شدة ما، بعد أن كان السؤال نفس السؤال الـــذى قدمناه من مولوى حاكم على ، وملخصه .

ما قولـكم فى حركة عدم التعاون مـع الحكومة الإنجليزية ، هل هـــذا الحكم إسلامى أم لا وهل يجوز الحاق الكليات مع الجامعه (أى الجامعة الحكومية) والإستمداد بالجامعـــة ، وهل يجوز التوظف فى مكاتب الحكومـة وأجاب الشيخ على هـــذه المسائل بالتحقيق العجيب والاستنباط الأنيق ، ملخصه :

تكلم على الـذمى ، الحربى ، المستأمن ، الموالات وترك الموالات وغيرها من الأمور المتعلقة بالموضوع ثم قال " التحقيق إن الموالات على قسمين ، الأولى الحقيقية ، وهى على مراتب أدناها ، ميل القلب، ثم الوداد ، ثم الإتحاد ثم الإنقياد بلاخوف مكروه ولاطمع محبوب ، ثم التبتل ، وهذه الموالاة بجميع وجوهها وأقسامها على كل حال محرمة مع الكفار .

الثانيه ه أن لايكون ميل قطعا فى القلب ولكن يعامل مع أحد معاملة تنبئ عن الوداد ، وهـــذه جائزة عند الضرورة بقدر الضرورة مطلقاً .

وبين المداراة والمداهنة، قسمين للموالاة الصورية البر والإقساط والمعاشرة والعاشرة بجرد المعاملة ، وهـــذه تجوز مع كل كافر سوى لمرتد (١) ثم نقل أحاديث تتعلق بالاستعانة عـلى اليهود والنصارى

---

(١) أوراق گم گشة ـ ص ٢٥٩ .

والمشركين وبين محملها ، يقول ، والإستعانة على أحوال ثلاث .

١ـ إلتجاء : أن تلجئ الجماعة القليلة الضعيفة العاجزة إلى الجماعة الكثيرة القوية ، لحل مشاكلها ، وهذا يرادف الأنقياد الكلى بالبداهة فكيف يجوز (١) .

الإعتماد ـ أن يستعينوا مع امثالهم فى العدد والقوة ، ويوالوهم، لحصول العزة والغلبة ، وهذا لا يتصور من عاقل أن يستعين باعدائه (٢) .

الإستخدام ـ أن يكون الكافر مغلوبا ، لا يقدر على ايصال الضرر ، بل يكون ناصحاً لنا خوفاً وطمعا (٣) .

ثم يقول الشيخ واضحا :

الموالاة حرام مطلقا مع كل مشرك ، لو كان ذميا مطيعا وخاضعا للإسلام ، ولو كان، إبنا، أباً ، أخا أو قريباً عزيزا (٤) .

وكان بعض العلماء حينئذاك يجوزون المعاملة والموالاة بل يحسنونها مع الكفار ومشركى الهند ، حينما يحرمون مجرد المعاملة مع الأنجليز

---

(١) أوراق گم گشة ـ ٢٧٩ .

(٢) أيضاً ـ ٢٨٠ .

(٣) أيضاً ص ٢٨٠ .

(٤) أيضاً ص ٢٣٧ .

حراما قطعيا ، بل قال مولانا شوكت على من أرضى الهنود فقد أرضى الله ، معاذ الله قال مولانا ظفر الملك لو لم تختم النبوة لكان مهاتما گاندهى نبياً وقال مولانا عبد البارى إنى جعلته (غاندى) هاديالى أطيعه فى جميع ما يقول ، وحالى الآن مصداق قول الشاعر :

عمرے كه بآيات وأحاديث گذشت
رفتى ونثار بت پرستى كردى

يعنى إنى فديت عمرى الذى قضيت مع القرآن والأحاديث على رجل وثنى ، وقال محمد على جوهر " إنى أعتقد إتباع گاندهى لازماً علىّ بعد إتباع رسول الله ﷺ

ولم يكتف هؤلاء على الأقوال المذكورة بل جاؤا بشردها ننند (الهندو) على منبر جامع دهلى للخطاب ، ووضعوا القرآن الكريم وگيتا (الكتاب المقدس عند الهندوس) فى عجلة واحدة وأخرجوا جلوسها معا ، وبعضهم اختاروا شعائر الهندوس.

قضية قربان البقرة :

كما يعلم قراءنا الكرام أن الهنود يعظمون البقرة بل يعبدونها ، ومنذ قديم لا يزال مسلمو الهند فى معركة وقتال مع الهنود فى قضية قربان البقرة وذبحها، وعلى هذه القضية تهيج الحروب بينهم من حين الى حين ، حتى الآن ، وجلال الدين أكبر منع ذبح البقرة فى القرن العاشر الهجرى ، وقدر التعزيرات الكبيرة للذين يذبحون البقرة ويخالفون أمره (١) .

---

(١) من أراد البسط فليراجع إلى " آئين أكبرى " لأبى الفضل ، ومنتخب التواريخ لعبد القادر البدايونى، و " منتخب اللباب " وغيرها من كتب التاريخ .

وجاهد ضد هذا الحكم المجدد للألف الثانى ، وحينما فتح كانگره، ذبح الشيخ أحمد المجدد السرهندى البقرة بيده فى الحصن بين يدى جهان گير ، وبهذا أحيى شعار المسلمين .

وبعينه بدأت تلك القضية فى عهد الشيخ أحمد رضا خان رحمه الله وكان من أمرها أن پنڈت مدن موهن مالوى قال فى جلسة كانفرس فى دلهى (ديسمبر ١٩١٨م) على المسلمين أن يتركوا ذبح البقرة تطييبا لقلوب الهنود ويمدوا أليهم يد المواخاة والمودة .

وبعد هذا أعلنت " مسلم ليگ (فى ديسمبر ١٩١٩م) بمساعى الدكتور مختار أحمد أنصارى والطبيب أجمل خان أن على المسلمين أن يحترموا عواطف الهنود ، ويتركوا قربان البقرة ألبتة .

وخالف هذا القرار الشيخ عبد القادر البدايونى (وهو من خلص أحباء الشيخ أحمد رضا خان رحمه الله) وكتب جوابه باسم " الرسالة المفتوحة على اتحاد المسلمين والهندوس إلى مهاتما گاندى " وقد طبع هذا الجواب فى ديسمبر ١٩٢٥م من على كره (هند) .

وقدم إلى الشيخ أحمد رضا سؤال متعلق بقربان البقر فى سنة ١٣٠٠هـ فاجاب الشيخ بجواب مدلل من الدلائل الشرعية وسماه ، " أنفس الفكر فى قربان البقر " (١) ملخصه قربان البقر من شعائر الإسلام قال تعالى ، والبدن جعلناها لكم من شعائر الله ، لا يجوز للمسلمين أن يشاركوا مع المشركين فى منع ذبح البقر ،

قطعات الى حضرة حاتم الزمان الفاضل حسين حلمى بن سعيد استانبولى من

العقير اجى محمد الويلثورى المليبارى عفى عنهما البارى

أَمَلْجَاءَ حِلْمِي يَا حُسَيْنُ عَلَيْكُمْ سَلَامٌ مِنَ اللّٰهِ الْكَرِيمِ بِرَحْمَةٍ

أَقَمْتَ عُلُومَ الدِّينِ أَعْلَيْتَ صَوْتَهُ بِإِتْمَاعِ بِدْعَاتٍ وَإِحْيَاءِ سُنَّةٍ

فَكَمْ مِنْ عُلُومٍ قَدْ نَشَرْتَ طِبَاعَهَا تَدَارَكْتَهَا قَدْ كَانَ قُرْبَ الْيَاسَةِ

فَأَنْفَقْتَ فِيهَا الْمَالَ تِبْرًا وَدِرْهَمًا تَزِيدُ عَلَى قِنْطَارِ يَاقُوتِ دُرَّةٍ

وَلَا غَرْوَ فِيهَا حَيْثُ تُجْزَى بِنِيَّةٍ قَدِ ابْتَاعَ رَبِّي مِنْكَ كُلًّا بِجَنَّةٍ

رُوِي قَوْلُ مَلَكٍ أَعْطِ خَلَفًا لِمُنْفِقٍ وَفَاسْتَبْشِرُوا بِالْبَيْعِ جَاءَ بِآيَةٍ

إِلَيْنَا أَتَى مِنْكُمْ رَسَائِلُ جَمَّةٌ بِغَيْرِ حِسَابٍ نُسْخَةٌ بَعْدَ نُسْخَةٍ

فَيَا شَيْخَنَا هٰذَا كِتَابُ هِدَايَةٍ لِمَنْ وُفِّقَ الْهَادِي مِرَاطَ اسْتِقَامَةٍ

فَلَا تَجْعَلَنْهَا يَا مَلَاذِي كَعَظْمَةِ الْـمُنَاجَاةِ مَرْدُودًا إِلَيْنَا بِخَيْبَةٍ

عَلَى صُنْعِكُمْ جَازَى الْإِلٰهُ بِجَنَّةٍ تمت •• وَيَجْمَعُنَا فِيهَا بِأَهْلِ النُّبُوَّةِ

Bava Musliar, Mudarris Valavannur
Juma masjid-Kerala-KALPAKANCHERİ-INDIA

عالمگیر اسلامی تنظیم الدعوة الاسلامیة العالمیة فرع آزاد کشمیر (پاکستان)

(دی ورلڈ اسلامک مشن) آزاد کشمیر برانچ - جامع مسجد مدینہ سیکٹر سی ٹو میرپور آزاد کشمیر (پاکستان)

THE WORLD ISLAMIC MISSION

(An International Religious Organisation) Central Office:- (U.K.)

Azad Kashmir Branch: Jamia Masjid Madina - Sector C/2 Mirpur A.K. Pakistan

الدعوة الاسلامیه العالمیه تندّد برأی سعد الحرمین فی ازالة القبة الخضراء

عُقِدَت حفلةٌ ببلدةِ میرفور آزاد کشمیر (باکستان) مِن فرع « الدعوة الاسلامیة العالمیة »
بَعْدَ اَن نُشِرَ رأی سعد الحرمین فی المجلة « الدعوة » لإزالة القبة الخضراء.

وكان العلامة محمد بشیر رئیسا للحفلة.

اجتمع فیها اعضاء اللّجنة من انحاء آزاد کشمیر وحضرها عددٌ کبیرٌ من السامعین وخاطب
فیها الاعضاء موضحین اهمیة ابقاء القبة الخضراء التی قرّة عیون المؤمنین للعالم كله الذین
یَعُدّونَ زیارةَ القبة الخضراء وسیلةً لنجاتهم لقولِ الرّسول صلی الله علیه وسلم « من زار
قبری وَجَبَتْ لهُ شفاعتی » وهذا الرأی المذموم لسعد اکبرُ الفتن، وخدعةٌ عظمی
ومکرٌ خفیٌّ لأعداء الاسلام - هل یمکن اَنْ یکونَ هذا الرأی القبیح لمحبٍّ للإسلام ؟
من یسعی لإزالة شعائر الله ! - لا والله بل یمکن ان تکون الایادی الخفیه والقوی الصیهونیة
تعمل خلف هذا الرأی السیئ - لا کذبَ اِنْ نقلْ اَنَّ إخراجَ جثمان الاصحاب وجنازة
السید عبدالله ابی الرسول علیه السلام (رضوان الله علیهم)، سَبَبٌ للاجتراء
علی الرأی لإزالة القبة الخضراء - هذه فتنةٌ عظیمةٌ لا خیر فیها اِلّا اَنْ تُدفَنَ.

یجب علی المملکة السعودیه العربیه ان تشرح الوجوه الممکنة التی تلعب وتداعب
مداعبةً کریهةً بقلوب المسلمین المملوءة بحب الرّسول وبحبِّ قبّتهِ الخضرا لاجله علیه السلام -
لا شكّ فیه اَنّنا نحبّ العربَ للحرمین الشریفین ولو لم یکن احترامهما فکیف تبقی المحبة لهم فی قلوبنا.
ونحن نلتمس البلاد الاسلامیّة العالمیّة ان تُخْبِرَ المملکةَ السّعودیّة العربیّة بهذه
الخُدْعَةِ العظیمةِ وتسعی ان تُدْفَنَ هذه الحیلة المذمومة فی التّراب.

والسلام

١٥ ربیع الآخر ١٣٩٨

٢٤ مارث ١٩٧٨

اعضاء فرع « الدعوة الاسلامیة العالمیة » بآزاد کشمیر . میرفور

MIR PUR-A.K- PAKISTAN

قال السيد العلامة احمد الطحطاوى فى حاشية الدرمانقصه قال كثير من المفسرين إن المراد من الذين فرقوا دينهم أهل البدع و الشبهات من هذه الأمة و روى عمر رضى الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال لعائشة رضى الله تعالى عنها ان الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا أصحاب البدع و اصحاب الأهوآء من هذه الامة قال تعالى وان هذا صراطى مستقيما فاتبعوه و لا تتبعوا السبل فتفرق بكم اى الطرق المختلفة التى هى ما عدا طريقة مثل اليهودية و النصرانية و سائر الملل و الأهوآء و البدع فتقعوا فى الضلالة و قال تعالى واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا قال بعض المفسرين المراد من حبل الله الجماعة لأنه عقبه بقوله و لا تفرقوا و المراد من الجماعة عند اهل العلم اهل الفقه و العلم و من فارقهم قدر شبر وقع فى الضلالة و خرج عن نصرة الله تعالى و دخل فى النار لأن اهل الفقه و العلم هم المهتدون المتمسكون بسنة محمد عليه الصلاة و السلام و سنة الخلفاء الراشدين بعده و من شذ عن جهور اهل الفقه و العلم و السّواد الاعظم فقد شذ فيما يدخله فى النار فعليكم معاشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة و الجماعة فان نصرة الله و حفظه و توفيقه فى موافقتهم و خذ لانه وسخطه و مقته فى مخالفتهم و هذه الط ائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فى مذاهب اربعة وهم الحنفيون و المالكيون و الشافعيون و الحنبليون رحمهم الله و من كان خارجا عن هذه الأربعة فى هذا الزمان فهو من اهل البدعة و النار اه. قال فان قلت ما وقوفك على انك على صراط مستقيم و كل واحد من هذه الفرق يدعى انه عليه قلت ليس ذلك بالإدعاء و التشبث باستعمالهم الوهم القاصر و القول الزاعم بل بالنقل عن جهابذة هذه الصنعة و علماء اهل الحديث الذين جمعوا صحاح الأحاديث فى أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم و احواله و افعاله و حركاته و سكناته و احوال الصحابة و المهاجرين و الأنصار الذين إتبعوهم باحسان مثل الامام البخارى و مسلم و غيرهما من الثقات المشهورين الذين إتفق اهل المشرق و المغرب على صحة ما أوردوه فى كتبهم من أمور النبى صلى الله عليه وسلم و أصحابه رضى الله تعالى عنهم ثم بعد النقل ينظر الى الذى تمسك بهديهم و اقتفى اثرهم و اهتدى بسيرهم فى الأصول و الفروع فيحكم بأنه من الذين هم هم و هذا هو الفارق بين الحق و الباطل و المميز بين من هو على صراط مستقيم و بين من هو على السبيل الذى على يمينه و شماله قال و اختلف العلماء من السلف و الخلف فى تكفير أهل الأهواء و البدع و لا شك ان من كان مذهبه و بدعته مؤدّيا الى الكفر و هو غير متأوّل فيه فهو كافر بالإجماع و اما من كان منهم فى مذهبه و بدعته على طريق التأويل و الاجتهاد و الخطأ المفضى إلى الهوى و البدعة من تشبيه او نعت بجارحة او نفى صفات كمال مما لا يليق به سبحانه و تعالى اختلف السلف و الخلف فى تكفيره فقال بعضهم ان اهل الاهواء كلهم كفار و هذا قول كثير من السلف و الفقهاء و المتكلمين من الخلف و منهم من صوب التكفير الذى قالوا به و منهم من ابى اخراجهم من سواد المسلمين وهو اكثر الفقهاء و المتكلمين فقالوا هم فساق عصاة ضلال و يورثهم من المسلمين و يحكم لهم باحكامهم قال ابن الهمام فى شرح الهداية نعم يقع فى كلام اهل المذاهب تكفير كثير منهم و لكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم ولا عبرة بغير الفقهاء و المنقول عن المجتهدين عدم تكفيرهم اه. واما قوله عليه الصلاة و السلام (ان بنى اسرائيل تفرقت على اثنتين و سبعين ملة و ستفرق امتى) يعنى امة الاجابة المؤمنين به صلى الله عليه و سلم (على ثلاث و سبعين ملة كلهم فى النار الا واحدة و هى ما انا عليه و اصحابى) قال التوربشتى فى شرح المصابيح ان المراد من الامة هنا من يجمعهم دائرة الدعوة من اهل القبلة لأنه اضافهم الى نفسه فقال امتى و اكثر ما ورد من الحديث على هذا الاسلوب المراد منه اهل القبلة و المعنى انهم تفرقوا فرقا تتدين كل واحدة منها بخلاف ماتتدين به الأخرى و قوله كلهم فى النار الا واحدة يعنى كلهم يفعلون و يعتقدون ما هو موجب دخول النار فان كان كفرا و ماتوا عليه دخلوا النار لا يخرجون منها ابدا و ان لم يكن كفرا فهو الى الله تعالى ان شاء عفا عنهم و ان شاء عذبهم ثم يخرجهم من النار و يدخلهم الجنة و استشكل ظاهر قوله عليه الصلاة و السلام كلهم فى النار بانه ان اريد التأبيد فيها لا يصح لأن من مات من اهل البدع على الايمان فلا بد من دخول الجنة و إن اريد ان دخولهم محتم و ان كانوا يخرجون لا يصح لان المؤمن العاصى فى مشيئة الله تعالى و ان اريد انهم مستحقون لدخولها و هم فى المشيئة فعصاة اهل السنة كذلك فماوجه التخصيص و اجيب بان التخصيص لشدة مؤاخذتهم بالعذاب فان عذابهم فى النار يكون اشد عذابا من عصاة الفرقة الناجية لسوء اعتقادهم فى طريقة نبيهم و بان الكل مجموعى لا جميعى اى مجموع هذه الفرق فى النار و مجموع هذه الفرقة فى الجنة و لا يلزم ان يكون كل الفرقة فى النار ولا كل الفرقة فى الجنة من غير سابقة عذاب

قال رسول الله ﷺ: **(خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه)** وقال ايضا **(خذوا العلم من افواه الرجال)**.

و من لم تتيسّر له صحبة الصالحين وجب له ان يذكّر كتبا من تأليفات عالم صالح و صاحب إخلاص مثل الإمام الربّاني المجدد للألف الثاني الحنفي و السيّد عبد الحكيم الارواسي الشافعي و احمد التيجاني المالكي و يتعلّم الدين من هذه الكتب و يسعى نشر كتب أهل السنة بين الناس و من لم يكن صاحب العلم أو العمل أو الإخلاص و يدّعى أنّه من العلماء الحق و هو من الكاذبين من علماء السوء. و اعلم انّ علماء أهل السنة هم المحافظون الدين الإسلامي و أمّا علماء السوء هم جنود الشياطين. [١]

---

(١) لا خير في تعلّم علم ما لم يكن بقصد العمل به مع الإخلاص (الحديقة الندية ج: ١ ص: ٣٦٦، ٣٦٧ و المكتوب ٣٦، ٤٠، ٥٩ من المجلّد الأوّل من المكتوبات للإمام الربّاني المجدّد للألف الثانى قدّس سرّه).

هذان الكتابان (المدارج السنية) و (العقائد الصحيحة فى ترديد الوهابية النجدية) يوضحان أن قراءة الصلوات على رسولنا محمد «صلى الله عليه وسلم» ثواب عظيم و أن الاسقاط والدور لازم كى يعفوا لمن مات وعليه عبادة ناقصة و حقوق للعباد و أن أرواح الأنبياء والشهداء والاولياء مطّلعون على أمور الدنيا بعد موتهم و أن الله تعالى يرحم الأحياء بشفاعتهم وكذلك يشرحان كيفية الدعاء وأعمال الخيرات والحسنات للاموات كلاالكتابين فى اللغة العربية مع اردو وترجمة

المكتبة الحقيقة

These books, **(Madârijussaniyya, Al-aqâid-us-sahîha fî tardîd-il-wahhabiyyat-in-Najdiyya)** inform that it is very thawâb to say the salawât for our Prophet, that it is necessary to perform dawr and isqât for a deceased person so that his sins pertaining to worships and to the rights of creatures will be pardoned, that the souls of martyrs and the Awliyâ are aware of the world after their death, that through their intercession Allahu ta'âlâ will show mercy to the living, and teaches how to do prayers and pious and charitable deeds for the dead. Both of these books are in Arabic, also contain their Urdu translations.

HAKÎKAT KİTÂBEVİ